

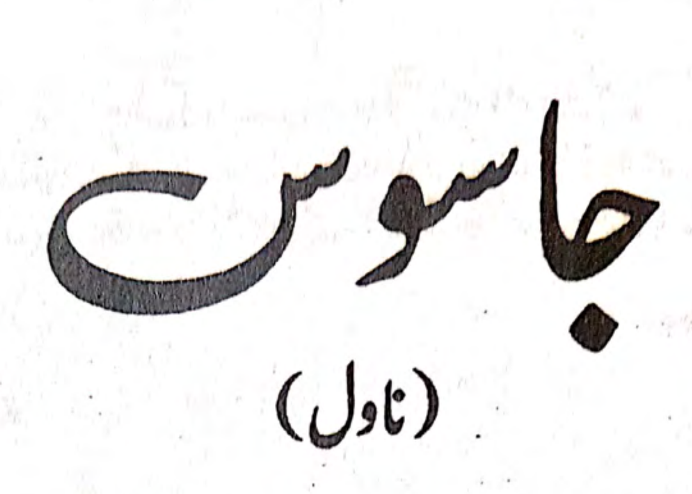
Scanned with CamScanner

جاسوس (ناول)

(حقیقی واقعات پر مبنی)

The Spy

Paulo Coelho



(ناول)

پاؤلو کوئلہو

مترجم: نیّر عباس زیدی

فکشن ہاؤس

O لاہور O کراچی O حیدرآباد

e-mail: fictionhouse1991@gmail.com

"The Spy"
by: Paulo Coelho

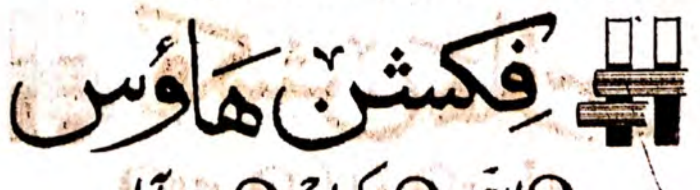
نام کتاب	:	جاسوس (ناول)
مصنف	:	پاؤلو کوئلہو
مترجم	:	نیر عباس زیدی
اہتمام	:	ظہور احمد خاں
پبلشرز	:	فکشن ہاؤس، لاہور
کمپوزنگ	:	سید وسیم حیدر نقوی، ملتان/فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز	:	سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق	:	ریاض ظہور
اشاعت	:	2020ء
قیمت	:	-/350روپے

تقسیم کار:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 68-مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-36307550-36307551

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون: 021-32603056



لاہور ○ کراچی ○ حیدر آباد

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

مصنف کا تعارف

پاؤلو کوئلھو کی زندگی ہی ان کی کتابوں کے لئے تخلیقی تحریک کا موجب بنی۔ وہ موت سے کھیلے ہیں، دیوانگی پر قابو پایا ہے، نشے میں وقت ضائع کیا، تشدد کا مقابلہ کیا، جادوگری اور کیمیا گری کے تجربے کئے ہیں، فلسفے اور مذہب کا جائزہ لیا، کمال کا مطالعہ کیا، اپنا اعتقاد کھویا اور دوبارہ پایا، محبت کی تلخی اور لذت کا تجربہ کیا۔ اس دنیا میں اپنے مقام کی کھوج میں انہوں نے ان چیلنجوں کے جواب دریافت کئے کہ جن کا سامنا ہر شخص کو ہے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہم اپنے اندر وہ ضروری اور درکار قوت رکھتے ہیں کہ جس سے ہم اپنی منزل تلاش کر سکیں۔

ان کا ناول ''ایڈلٹری'' دنیا کا بیسٹ سیلر رہا اور ان کا 1988ء میں شائع ہونے والا مشہور زمانہ ناول ''الکیمسٹ'' تھا، جس کی دنیا بھر میں 65 ملین کاپیاں فروخت ہوئیں۔

پاؤلو کوئلھو نے دنیا بھر میں اپنی کتابوں کی 200 ملین کاپیاں فروخت کیں۔ ان کا تخلیقی کام دنیا کی 81 زبانوں میں شائع ہوا اور انہیں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ ترجمہ کئے جانے والے، زندہ لکھاری ہیں۔

پاؤلو کوئلھو 24 اگست 1947ء کو ریئو ڈی جینیرو، برازیل میں پیدا ہوئے۔ ان کا گھرانہ مذہبی، کیتھولک عیسائی تھا، مادری زبان پرتگالی تھی۔ انہوں نے والدین کے سامنے بچپن ہی سے لکھاری بننے کی خواہش کا اظہار کیا جسے ان کے والدین پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے یہ ضد چھڑوانے کے لئے سختی بھی کی۔ 1960ء کی دہائی میں وہ ہپی لوگوں کے ساتھ زندگی گزارنے

لگے، اور انہی کے معمولات اختیار کر لئے اور مختلف مقامات تک ان کے ساتھ سفر بھی کیے۔ برازیل واپسی پر مشہور گلوکاروں کے لئے نغمہ نگاری بھی کی۔ مخفی علوم اور جادو کی دنیا میں بھی گئے۔ 1974ء میں ملک میں قابض فوجی حکومت نے ان پر تخریبی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگا کر گرفتار کر لیا اور تشدد کا نشانہ بھی بنایا۔ فوجی حکمرانوں کے بقول ان کی نغمہ نگاری بائیں بازو کی ترجمانی کرتی ہے اس لئے خطرناک قرار دی گئی۔

لکھاری بننے سے قبل پاؤلو کوئلھو ایک اداکار، صحافی اور تھیٹر ڈائریکٹر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ 1980ء میں ایک مصورہ کرسٹینا اوٹیسکا سے شادی کی۔ 1982ء میں ان کا پہلا ناول ''ہیل آرکائیوز'' شائع ہوا، جسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ پاؤلو نے سینٹیا گو ڈی کمپوسٹیلا (ہسپانیہ) کا روحانی سفر اختیار کیا، اس سفر کے دوران ان کی روحانی بیداری ہوئی اور اس سفر اور روحانی تجربات کا ذکر انہوں نے اپنے ناول ''پلگریمیج'' میں کیا جسے انہوں نے 1987ء میں شائع کروایا۔ 1988ء میں انہوں نے ''الکیمسٹ'' شائع کروایا، ابتدائی طور پر اس کی اشاعت برازیل کے چھوٹے سے اشاعتی ادارے سے ہوئی اور اس کی صرف 900 کاپیاں شائع کی گئیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہی ناول پاؤلو کی شہرت کا سبب بنا اور یہ دنیا کا بیسٹ سیلر بن گیا اور اس کی 200 ملین کاپیاں فروخت ہوئیں۔

''الکیمسٹ'' کی اشاعت کے بعد پاؤلو نے ہر دو سال کے بعد ایک ناول شائع کرنے کے اپنے تسلسل کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ پاؤلو کا ادبی کام 170 ممالک اور تقریباً 81 زبانوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اب تک ان کے 26 ناول شائع ہو چکے ہیں۔ پاؤلو آج کل سوئٹزرلینڈ میں قیام پذیر ہیں۔

ان کے چند مشہور ناول یہ ہیں: ''الکیمسٹ'' (1988ء)، ''دی پلگریمیج'' (1987ء)، ''ہیل آرکائیوز''، ''والکیریز''، ''الف''، ''دا ظاہر''، ''جرنی''، ''لائف''، ''بریڈا''، ''مکتب''، ''ایلیون منٹس''، ''بائی دی ریور پیڈرا آئی سیٹ ڈاؤن اینڈ ویپٹ''، ''دی ففتھ ماؤنٹین''، ''ویرونیکا ڈیسائیڈ ٹو ڈائے'' اور ''ہپی'' (2018ء)۔

عرضِ مُترجم

ناول ''جاسوس'' 2016ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول ایک ڈچ نژاد رقاصہ ماتا ہری کی حقیقی زندگی پر لکھا گیا ہے۔ جس نے انڈونیشیا میں قیام کے دوران وہاں کا روایتی رقص (رقص جاوا) نہ صرف سیکھ لیا تھا بلکہ اس فن میں مہارت بھی حاصل کر لی تھی۔ وہاں کی ہی مقامی زبان میں اپنا نام ماتا ہری رکھ لیا تھا جس کا مطلب ہے ''سورج''۔ ناساعد حالات کے تحت یورپ واپس آ گئی اور پیرس میں پرفارم کرنا شروع کر دیا۔ شہرت کی بلندی پر چلی گئی۔ جنگِ عظیم اوّل کے دوران اس پر فرانسیسیوں کی طرف سے یہ الزام عائد کیا گیا کہ اس نے جرمنوں کے لئے جاسوسی کی ہے جس کی وجہ سے بے شمار فرانسیسی فوجی موت کے منہ میں چلے گئے، فوجی عدالت میں مقدمہ چلا، سزائے موت سنائی گئی اور اسے فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے گولیاں مار دی گئیں۔

ماتا ہری کا مقدمہ فرانس کی تاریخ کا یادگار مقدمہ ہے جس پر بہت کچھ لکھا جاتا رہا اور تبصروں اور آراء کا سلسلہ جاری رہا۔ خاص طور پر اس نکتہ نظر سے کہ اس مقدمے کی سماعت کے دوران انصاف وعدل کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھا گیا یا نہیں۔ فوجی عدالت نے جانب داری کا مظاہرہ کیا۔ ماتا ہری کے مقدمے کی فائل کو بھی خاص وجوہات کے تحت سیل کر دیا گیا تھا۔

پاؤلو کوئلہو نے ماتا ہری کی نفسیات کا شاندار تجزیہ پیش کیا ہے۔ اس کے تکبر، فخر ومباہت، لاپرواہی، فن میں مہارت، خود پر ضرورت سے زیادہ اعتماد، اس کی دردانگیزی، تنہائی، غلطیوں اور

کمزوریوں کا احاطہ کیا ہے۔ پاؤلو بڑے اختصار کے ساتھ بات کرنے میں مہارت رکھتے ہیں، یہ ناول جنگِ عظیم اوّل کے محرکات، جنگ کے ماحول، جنگی جنون، فوجی کی ذہنی حالت، انسانی جانوں کے زیاں اور مختلف ممالک کی فوجوں کے معیار کا بھی خوبصورت جائزہ ہے۔

اس ناول کے اردو روپ سے پہلے میرے کئے ہوئے تراجم کی پانچ کتب مارکیٹ میں آ چکی ہیں۔ ایک کتاب چھپنے کے ''مراحل'' میں ہے۔

ان دنوں ہم اور آپ اپنی زندگی میں آنے والے بڑے عالمی بحران کے دور سے گزر رہے ہیں، پوری دنیا کرونا وائرس جیسے خطرناک اور موذی مرض کی لپیٹ میں آئی ہوئی ہے، اردگرد ایسے حالات اور ماحول ہیں جو ہم نے اور ہمارے بڑوں نے بھی نہ دیکھے ہوں، لاک ڈاؤن ہے، زیادہ تر کاروباری مراکز بند ہیں، آمدورفت، میل ملاپ معدوم ہے۔ اس ناول کے ترجمے کا زیادہ تر کام اسی لاک ڈاؤن کے ماحول میں کیا گیا، یہ بھی زندگی کا یادگار تجربہ تھا۔ پوری دنیا اس وائرس پر قابو پانے کی کوشش بھی کر رہی ہے اور دعا بھی۔ ناول کا اردو روپ یقیناً آپ احباب کے لئے دلچسپی سے بھرپور ہوگا۔

جن احباب اور دوستوں نے کتاب کی تیاری میں معاونت فرمائی ان کا شکرگزار ہوں۔ میرے بڑے بیٹے سید محمد بہروز زیدی نے کتاب کے ترجمے میں خاصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ فکشن ہاؤس پبلشرز، اس کتاب سے پہلے میری تین کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ ان کے ساتھ بدستور محبتوں کا سلسلہ جاری ہے۔

احقر

نیّر عباس زیدی

ممتاز آباد، ملتان

اپریل 2020ء

پیرس، اکتوبر 15، 1917ء

ائین فشر مین اور ہنری ویلز،

برائے انٹرنیشنل نیوز سروس۔

صبح پانچ بجے سے ذرا پہلے، اٹھارہ افراد پر مبنی ایک پارٹی، جن میں سے بیشتر فرانسیسی فوج کے آفیسران تھے، پیرس میں واقع، سینٹ لیزار نامی، خواتین جیل کی تیسری منزل پر پہنچے۔ ان کی راہنمائی جیل کا نگران کر رہا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک مشعل تھی جس سے وہ لیمپ روشن کرتا تھا۔ تمام لوگ جیل کی کوٹھڑی نمبر 12 کے سامنے رُک گئے۔

اس جیل کی دیکھ بھال راہبائیں کرتی تھیں۔ سسٹر لیونید نے کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوتے ہوئے کہا کہ تمام لوگ باہر انتظار کر رہے ہیں، ماچس کو دیوار پر رگڑا اور کوٹھڑی کا لیمپ روشن کر دیا۔

پھر اس نے اپنی مدد کے لئے ایک اور راہبہ کو بلایا۔ سسٹر لیونید نے، انتہائی شفقت کے ساتھ، نیند کی آغوش میں گئی ایک (قیدی) عورت کے جسم کو چُھوا۔ عورت ہڑ بڑا اٹھی، لیکن ایسے جیسے وہ کسی بھی قسم کی دلچسپی سے مبرا ہے۔ راہبہ کے بیان کے مطابق جب وہ عورت کامل بیدار ہوگئی تو ایسا محسوس ہوا کہ وہ انتہائی پرسکون نیند کی کیفیت میں تھی۔ وہ اس وقت بھی اطمینان میں رہی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ چند روز قبل اس نے ملک کے صدر سے جو رحم کی اپیل کی تھی وہ بھی مسترد کر دی گئی ہے۔ یہ جاننا مشکل تھا کہ جب اس عورت کے علم میں آیا کہ ہر چیز اپنے اختتام کی طرف گامزن ہے تو وہ اداس ہوئی یا اس نے سکھ کا سانس لیا۔

سسٹر لیونید کے اشارہ کرنے پر پادری آرابو کوٹھڑی میں داخل ہوئے ان کے ساتھ کیپٹن بش اردون اور (قیدی) عورت کے وکیل میتر کلو نے بھی تھے۔ قیدی عورت نے اپنے وکیل کے سپرد وہ طویل خط کیا، جو وہ گزشتہ ہفتے میں لکھتی رہی، اس کے ساتھ، مضبوط کاغذ کے، دولفافے بھی تھے جس میں اخباری خبروں کے تراشے تھے۔

عورت نے سیاہ رنگ کی جرابیں چڑھائیں، جوان حالات میں عجیب محسوس ہورہی تھیں، اپنا پاؤں اونچی ایڑھی والے جوتے میں ڈالا، جس کے تسمے ریشمی تھے۔ بستر سے اٹھنے کے بعد وہ کوٹھڑی کے کونے میں لگے ہک کی طرف بڑھی، جس پر، پاؤں تک لمبائی والا، فرکوٹ لٹک رہا تھا، اس کوٹ کی آستینوں اور کالر پر کسی اور جانور (کے بالوں) کی فرلگی ہوئی تھی، غالباً لومڑی کی۔ اس نے وہ کوٹ اپنے اس ریشمی، جاپانی طرز کے، گاؤن پر زیب تن کیا، کہ جس گاؤن میں وہ سوئی ہوئی تھی۔

اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، انہیں بڑی احتیاط سے، برش کر کے، گردن تک سنوارا۔ سر پر گرم کپڑے کا بنا ہیٹ لیا اور اسے، ایک ریشمی ربن کے ساتھ، اپنی ٹھوڑی سے باندھ لیا تا کہ ہوا اس ہیٹ کو اُڑا نہ لے جائے۔ اسے اس مقام تک لے جایا جا رہا تھا جہاں اس کے معاملات کو حتمی شکل دی جانی تھی۔

وہ بڑی آہستگی سے جھکی تا کہ سیاہ رنگ کے، چمڑے کے بنے، دستانے اٹھا سکے۔ پھر، بڑی سرد مہری کے ساتھ، نئے آنے والوں کی طرف مڑی اور نرم آواز میں کہا؛

''میں تیار ہوں''۔

سینٹ لیزار جیل کی کوٹھڑی سے تمام لوگ باہر آ گئے اور اس گاڑی کی طرف بڑھے جوان کے انتظار میں کھڑی تھی، اس کا انجن سٹارٹ تھا، تا کہ ان لوگوں کو فائرنگ سکواڈ تک لے جایا جا سکے۔

گاڑی بڑی تیزی سے شہر کی سنسان گلیوں سے گزر رہی تھی، جہاں لوگ ابھی نیند کے مزے لے رہے تھے، گاڑی نے کیوین ڈی وا سن بیرکس پہنچنا تھا۔ کسی زمانے میں یہاں ایک قلعہ استادہ تھا جسے جرمن افواج نے 1870ء میں تباہ کر دیا تھا۔

بیس منٹ بعد گاڑی رُکی اور تمام لوگ اُتر گئے۔ ماتا ہری سب سے آخر میں اتری۔

سپاہی گولیاں چلانے کے لئے پہلے سے قطار میں کھڑے تھے۔ یہ فائرنگ سکواڈ بارہ زواو[1] فوجیوں پر مشتمل تھا۔ اس گروپ کے آخر میں ایک آفیسر کھڑا تھا اس نے تلوار ہاتھ میں تھامی ہوئی تھی۔

دو راہباؤں کے پہلو میں کھڑے پادری آرابو ''مجرم'' عورت سے ہم کلام ہوئے، یہاں تک کہ ایک فرانسیسی لیفٹیننٹ وہاں پہنچ گیا، ایک راہبہ کو سفید کپڑا تھماتے ہوئے بولا:

''اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیں''۔

''کیا مجھے یہ پٹی ضرور باندھنی ہے؟'' ماتا ہری نے سفید کپڑا دیکھ کر کہا۔

میتر کلو نے لیفٹیننٹ کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

''اگر یہ عورت ایسا نہیں کرنا چاہتی تو یہ ضروری نہیں''، لیفٹیننٹ نے جواب دیا۔

ماتا ہری کے نہ تو ہاتھ پاؤں باندھے گئے اور نہ ہی آنکھوں پر پٹی باندھی گئی؛ وہ بڑی ثابت قدمی سے کھڑی (گولیاں برسانے والے) جلاّدوں کو دیکھ رہی تھی جبکہ پادری، راہبائیں اور اس کا وکیل ذرا پیچھے ہٹ گئے تھے۔

فائرنگ سکواڈ کا کمانڈر اپنے عملے پر نظر کئے ہوئے تھا تاکہ وہ انہیں اپنی اپنی رائفل کے جائزے سے باز رکھ سکے— روایت یہ ہے کہ رائفل میں ایک خالی کارتوس ڈال دیا جاتا ہے تاکہ ان میں سے ہر شخص یہ دعویٰ کر سکے کہ جان لیوا گولی اس نے نہیں چلائی— اور پرسکون انداز میں کھڑا تھا۔ یہ کام جلد ہی ختم ہوا چاہتا تھا۔

''تیار!''

بارہ مسلح سپاہیوں نے پوزیشنیں سنبھال لیں اور اپنی رائفلیں کندھوں پر دھر لیں۔

ماتا ہری نے ذرا بھی جنبش نہیں کی۔

(1) فرانسیسی فوج کے پیدل دستے کا نام۔

آفیسر ایسی جگہ کھڑا تھا جہاں سے تمام سپاہی اسے دیکھ سکیں، اس نے اپنی تلوار بلند کی۔

''نشانہ''!

ان کے سامنے کھڑی عورت بالکل ساکن رہی، اس میں کسی بھی قسم کا خوف دکھائی نہیں دیا۔

آفیسر کی تلوار، ایک کمان کے سے زاویے سے، نیچے ہوئی۔

''فائر!''

سورج اب افق پر ابھر آیا تھا، ایک دھماکے کے ساتھ رائفلوں سے گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی، شعلے اور دھوئیں کے چھوٹے بادل دکھائی دیئے، فوراً ہی سپاہیوں نے، ترتیب کے ساتھ اپنی رائفلیں زمین پر رکھ دیں۔

ایک سیکنڈ کے کچھ حصے تک ماتاہری کھڑی رہی۔ وہ اس طرح بالکل نہیں مری جیسے فلموں میں گولیاں لگنے کے بعد لوگ مرتے ہیں۔ وہ آگے کی طرف یا پیچھے نہیں گری اور نہ ہی اس نے اپنے بازو پیچھے کی طرف یا اطراف میں گرائے۔ وہ اپنے اوپر ہی آن گری، اس کا سر اوپر کی طرف تھا اور آنکھیں کھلی تھیں۔ ایک سپاہی کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

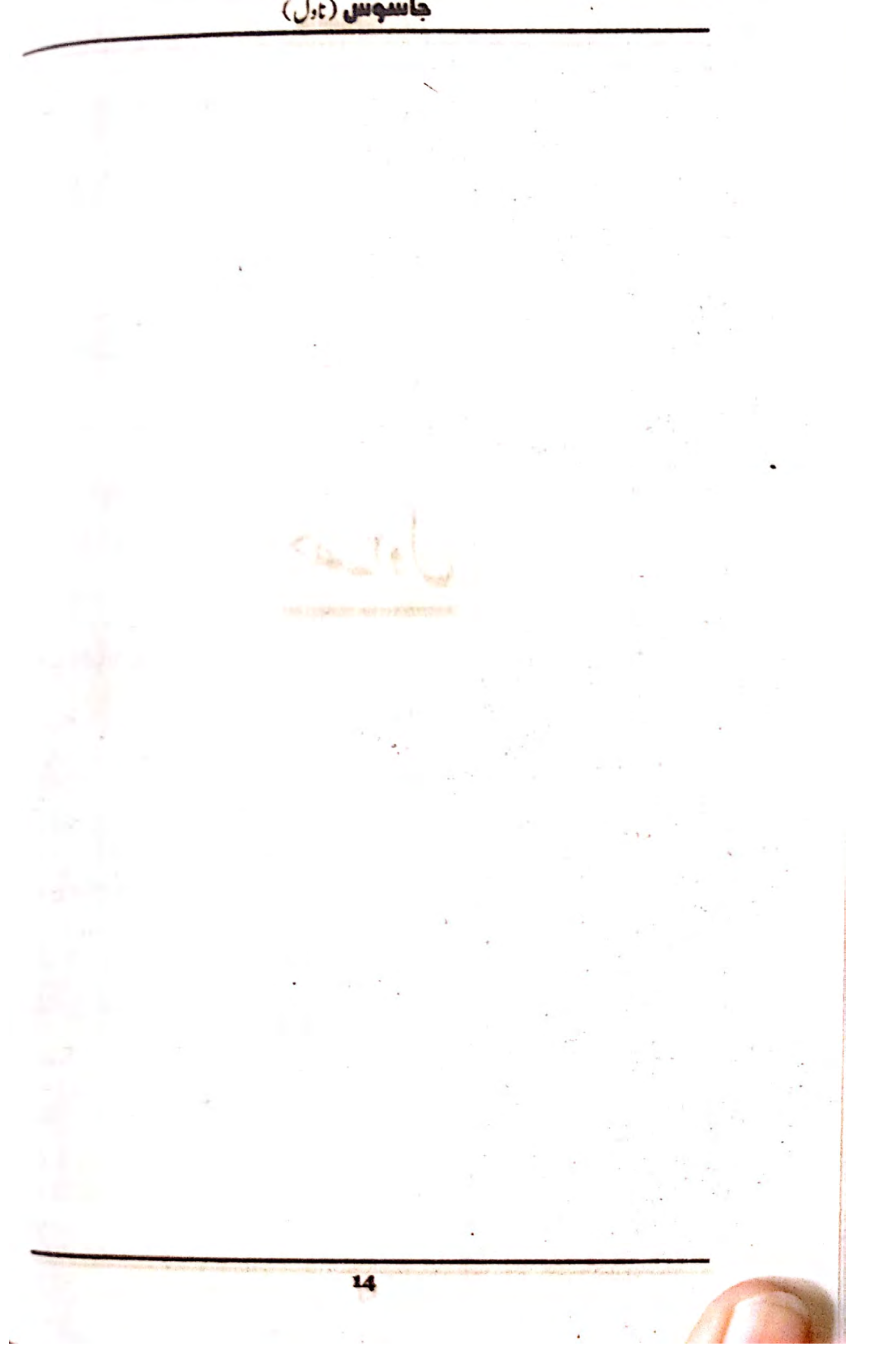
اس کے گھٹنے مڑے اور اس کا جسم دائیں طرف گر گیا، ٹانگیں مڑ کر فرکوٹ کے نیچے ہوگئیں۔ وہ ساکن پڑی تھی اور اس کا چہرہ آسمان کی طرف ہوگیا تھا۔

ایک فوجی آفیسر نے اپنے جسم پر بندھے بیلٹ کور سے، اپنا ریوالور نکالا، اور ایک لیفٹیننٹ کے ہمراہ اس بے حس وحرکت جسم کی طرف چل پڑا۔

جسم پر جھک جانے کے بعد اس آفیسر نے اپنی ریوالور کا دہانہ جاسوس عورت کی کنپٹی پر ٹکایا، یہ دھیان رکھتے ہوئے کہ اس (عورت) کے جسم کو ہاتھ نہ لگ جائے۔ پھر اس نے اپنی ریوالور کا لبلبہ دبایا، گولی اس کے دماغ کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ پھر وہ تمام موجود لوگوں سے مخاطب ہوا اور سنجیدہ آواز میں کہا:

''ماتاہری مر چکی ہے۔''

حصہ اول



عزیزم مہتر کلو نے!

مجھے نہیں معلوم اس ہفتے کے آخر تک کیا ہونے والا ہے۔ میں ہمیشہ سے ایک حقیقت پسند عورت رہی ہوں لیکن وقت نے مجھے تلخ، تنہا اور اداس کر دیا ہے۔

اگر معاملات نے ایسا ہی رُخ اختیار کیا جیسا کہ میں سوچ رہی ہوں، تو آپ کو کبھی بھی یہ خط نہیں مل سکے گا۔ مجھے معافی بھی مل سکتی ہے کیونکہ میں نے اپنی ساری زندگی با اثر دوست بنانے میں صرف کی، اگر ایسا ہوا تو پھر میں اس خط کا تسلسل برقرار رکھوں گی تا کہ ایک نہ ایک دن میری اکلوتی بیٹی اس خط کو پڑھے اور یہ جان سکے کہ اس کی ماں کون تھی؟

لیکن اگر میری سوچ غلط ہے تو مجھے ذرا سی امید ہے کہ ان صفحات کو، کہ جنہیں تحریر کرنے میں، میری زندگی کا آخری ہفتہ صرف ہوا، محفوظ کر لیا جائے گا۔ میں ہمیشہ سے ایک حقیقت پسند عورت رہی ہوں۔ اور میں یہ بخوبی جانتی ہوں کہ جب کسی مقدمے کو نمٹا لیا جائے تو وکیل، ماضی کا تصور ذہن میں لائے بغیر، اگلے مقدمے کی طرف بڑھتا ہے۔

میں سوچ سکتی ہوں کہ بعد میں کیا ہوگا، تم ایک معروف شخص بن جاؤ گے، تمہارے پاس، ایک جنگی مجرم کو دفاع کرنے کا شہرہ بھی ہوگا۔ تمہارے دروازے پر دستک دینے والے بے شمار لوگ ہوں گے، تمہاری خدمات حاصل کرنے کی التجا کریں گے کیونکہ (میرا) مقدمہ ہار جانے کے باوجود تم شہرت کی بلندی پر چلے گئے ہو۔ صحافی تم سے ملاقات کریں گے اور تم سے واقعات کی روداد سننا پسند کریں گے، تم شہر کے مہنگے ترین ریستورانوں میں کھانا کھاؤ گے اور تمہارے ملنے والے تمہاری طرف قدر اور رشک کی نگاہ سے دیکھا کریں

گے۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرے خلاف کوئی بھی اور کبھی بھی ٹھوس ثبوت نہیں تھے۔ سوائے ان دستاویز کے جن میں ردوبدل کی گئی تھی۔ لیکن تم، عوامی سطح پر، کبھی بھی یہ تسلیم نہیں کرو گے کہ تم نے ایک بے گناہ عورت کو موت کے منہ میں جانے دیا۔

بے گناہ؟ شاید یہ صحیح لفظ نہیں۔ میں کبھی بھی بے گناہ اور معصوم نہیں تھی، اس وقت بھی نہیں کہ جب میں نے اس شہر میں پہلا قدم رکھا، کہ جس شہر کو میں بہت چاہتی ہوں۔ میں یہ سمجھتی تھی کہ میں ان لوگوں کو ہوشیاری سے برت سکتی ہوں جنہیں ملکی راز درکار ہوتے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ جرمن، فرانسیسی، انگریز، ہسپانوی مجھے مات نہیں دے سکتے۔ اور آخر میں خود مجھے مات ہو گئی۔ مجھ سے جو جرائم بھی سرزد ہوئے، میں ان سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئی، جن میں سے سب سے بڑا جرم آزاد پسند اور آزاد عورت ہونا تھا، ایک ایسے سماج میں کہ جس میں مرد کی حکمرانی ہے۔ مجھے جاسوسی کے جرم میں سزا سنائی گئی ہے جبکہ جو عملی اور ٹھوس کام میں نے کیا وہ معاشرے کے اعلیٰ ڈرائنگ روموں کی گپ شپ اکٹھی کرنا تھا۔

جی! میں نے اس گپ شپ کو ''رازوں'' میں منتقل کر دیا کیونکہ مجھے دولت اور طاقت کی طلب تھی۔ لیکن وہ تمام لوگ جو مجھ پر اب الزام تراشی کر رہے ہیں وہ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ میں نے کوئی نئی بات آشکار نہیں کی۔

یہ بات باعث شرم ہے کہ کوئی بھی اس حقیقت کو نہیں جان پائے گا۔ یہ لفافے، حتمی طور پر، ایک گرد آلود الماری کی زینت بنیں گے، کہ جس میں دیگر مقدمات کے کاغذات اور فائلیں پہلے سے ہی موجود ہوں گی۔ شاید ان لفافوں سے اس وقت جان چھوٹے کہ جب تمہارا کوئی جانشین یا جانشین کا جانشین، گنجائش بنانے کی خاطر، ان پرانے کاغذات کو پھینک ڈالے۔

اس وقت تک میرا نام بھلایا جا چکا ہوگا۔ میں یاد رکھے جانے کے لئے نہیں لکھ رہی۔ میں خود چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ کیوں؟ یہ کیسے ہوا کہ ایک ایسی عورت وہ سب

کچھ حاصل کر نے کہ جس کی اسے تمنا ہو، اور پھر اُسے ذرا سے جرم کی پاداش میں موت کے منہ میں جھونک دیا جائے؟

اس خاص لمحے جب میں اپنی زندگی پر نظر دوڑاتی ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ یادیں ایک دریا کی صورت ہیں، ایک ایسا دریا جو ہمیشہ پیچھے کی طرف رواں دواں ہے۔

یادیں تخیلات سے بھری ہوتی ہیں، جہاں ہمارے تجربات میں آئی ہوئی چیزوں کے تصورات، اب تک بھی، اس قابل ہوتے ہیں کہ وہ، کسی معمولی تفصیل کے ذریعے یا کسی غیر اہم آواز کے ذریعے ہمارا گلا دبا سکیں۔ ڈبل روٹی پخت کئے جانے کی خوشبو میری جیل کوٹھڑی میں، ایک جھونکے کی صورت آتی ہے اور مجھے ماضی کے ان ایام کی یاد دلاتی ہے جب میں، بڑی آزادی کے ساتھ، کیفے میں گھوما کرتی تھی۔ ایسی یادیں مجھے اندر سے چیر کے رکھ دیتی ہیں اور یہ میرے لئے موت کے خوف یا اس تنہائی سے زیادہ تکلیف دہ بن جاتی ہیں کہ جس تنہائی میں اب میں خود کو پاتی ہوں۔

یادیں اپنے ساتھ ایک آسیب لے کر آتی ہیں جسے افسردگی کہا جاتا ہے۔ اوہ، ایک ظالم بھوت کہ جس سے میں فرار نہیں پا سکتی۔ کسی قیدی کو گنگناتے سننا، اپنے ان مداحوں کے کچھ خطوط وصول کرنا کہ جن کا شمار کبھی بھی ان لوگوں میں نہیں رہا جو میرے لئے گلاب اور یاسمین کے پھول لایا کرتے تھے، کسی شہر کے ایک ایسے منظر پر اپنی توجہ مرکوز کرنا جو مجھے اس وقت اچھا نہیں لگتا تھا کہ میرے پاس کسی ایسے ملک کی صرف یہی یادیں رہ گئی ہیں، جہاں کی سیر کرنے میں گئی ہوں۔

یادیں ہمیشہ جیت جاتی ہیں، ان کے ساتھ ایک اور بھوت ساتھ آتا ہے جو افسردگی سے بھی زیادہ خوفناک ہے: ندامت۔ جیل کوٹھڑی میں یہ میری واحد ساتھی ہے، ماسوائے اس وقت کے جب راہبائیں میرے پاس آکر باتیں کرنے کا سوچیں۔ وہ نہ تو خداوند کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں اور نہ ہی ان گناہوں کی وجہ سے میری سرزنش کرتی ہیں جنہیں

معاشرہ ''گوشت پوست کے گناہ'' کا نام دیتا ہے۔عموماً راہبائیں ایک یا دو لفظ کہتی ہیں اور یادیں میرے منہ سے اُگلنا شروع ہو جاتی ہیں کہ جیسے میں ماضی کے ایام میں جانا چاہتی ہوں، اس دریا میں غوطہ مارنا چاہتی ہوں جو پیچھے کی طرف بہتا ہے۔

ان (راہباؤں) میں سے ایک نے پوچھا:

''اگر خداوند تمہیں ایک موقع اور دے تو کیا تم کچھ مختلف کرو گی؟''

میں نے ہاں میں جواب دیا، حالانکہ مجھے بالکل بھی معلوم نہیں۔ جو مجھے معلوم ہے وہ یہ کہ اب میرا دل کھنڈر بن چکا ہے، ایک ایسا کھنڈر جس میں ہیجان، گرم جوشی، تنہائی، شرمندگی، تکبر، بے وفائی اور اداسی جیسی چیزیں موجود ہیں۔ میں ان میں سے کسی چیز سے بھی ناطہ نہیں توڑ سکتی، حتیٰ کہ اس وقت بھی نہیں جب مجھے خود پر ترس آتا ہے اور میں تنہائی میں زار وقطار رو رہی ہوتی ہوں۔

میں ایک ایسی عورت ہوں جو غلط وقت پر پیدا ہوئی اور اس چیز کو متعین کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ آنے والا وقت مجھے یاد رکھے گا، لیکن اگر ایسا ہوا، تو پھر وقت مجھے ایک ''بھینٹ چڑھی ہوئی'' عورت کے طور پر نہیں دیکھے گا بلکہ ایک ایسی عورت کے طور پر دیکھے گا جو بڑی جرأت، بہادری اور بے خوفی سے اپنی اس قیمت کو چُکانے کے لئے آگے بڑھی جو اسے چُکانی ہی تھی۔

ایک مرتبہ ویانا کی سیر کرتے ہوئے میں ایک ایسے شخص سے ملی جسے آسٹریا کے تمام مرد وخواتین انتہائی مشہور اور کامیاب تصور کرتے تھے۔ اس کا نام فرائڈ[1] تھا۔ مجھے اس کے نام کا پہلا لفظ یاد نہیں۔ اور لوگ اسے بڑی تکریم کی نگاہ سے دیکھتے تھے کیونکہ اُس نے اِس امکان کا اعادہ کیا تھا کہ ہم تمام لوگ معصوم اور بے گناہ ہیں۔ ہماری غلطیاں دراصل ہمارے والدین کی غلطیاں ہیں۔

اب میں یہ دیکھنے کی کوشش کرتی ہوں کہ میں کہاں غلط تھی، کیونکہ میں اپنے خاندان کو مورِدِ الزام نہیں ٹھہرا سکتی۔ آدم اور آنتوذیل نے مجھے ہر وہ چیز مہیا کی جو پیسہ خرید سکتا تھا۔ وہ لوگ ہیٹ بیچنے کی دُکان کرتے تھے اور انہوں نے تیل کے کاروبار میں سرمایہ کاری کی ہوئی تھی، وہ بھی اس وقت جب لوگ اس کاروبار کی اہمیت سے واقف نہیں تھے، اسی بناء پر میں اس قابل ہوئی کہ میں ایک پرائیویٹ سکول میں تعلیم حاصل کر سکوں، رقص سیکھ سکوں اور گھڑسواری سیکھ سکوں۔ تب لوگوں نے مجھے ''نیکی سے عاری'' لڑکی کے طعنے دینے شروع کیے، میرے والد نے میرے دفاع میں ایک کتاب لکھی۔ ایک ایسا کام جو انہوں نے کبھی نہیں کیا۔ میں جو کچھ کر رہی تھی اس سے بالکل مطمئن تھی، میرے والد کے الفاظ نے لوگوں کی توجہ مزید حاصل کر لی اور لوگوں نے مجھے ایک کسبی اور جھوٹی لڑکی کے طعنے بھی دینا شروع کر دیئے۔

(1) سگمنڈ فرائڈ 1856ء تا 1939ء

جی، میں ایک کسبی تھی۔ اگر اس سے مراد ایک ایسی عورت ہے جو محبت اور محظوظ ہونے کے عوض لوگوں سے تحائف اور زیورات وصول کرے۔ جی ہاں، میں جھوٹی بھی تھی ایک بے قابو اور اضطراری کیفیت میں مبتلا عورت، میں اکثر بھول جاتی کہ ہمیں نے کیا کہا اور مجھے اپنی فاش غلطیوں کے ازالے کی خاطر، بڑی مقدار میں، اپنے دماغ کی توانائی خرچ کرنی پڑتی۔

میں کسی بھی کام کے لئے اپنے والدین کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتی، سوائے اس کے کہ انہوں نے مجھے ایک غلط مقام پر جنم دیا۔ لیوواردن، ایک ایسی جگہ جس کا نام میرے بہت سے ڈچ ساتھی نہیں جانتے ہوں گے، یہ ایک ایسا قصبہ ہے جہاں کچھ بھی (نیا) نہیں ہوتا اور ہر دن گزرے ہوئے دن کی طرح ہی ہوتا ہے۔ عفوان شباب ہی سے مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میں بہت حسین ہوں، میری سہیلیاں میری نقالی کرتی تھیں۔

1889ء میں خاندان کے حالات تبدیل ہو گئے۔ آدم دیوالیہ ہو گئے اور آنتو بیمار پڑ گئیں، اور دو سال بعد وفات پا گئیں۔ وہ دونوں نہیں چاہتے تھے کہ میں بھی ان حالات سے گزروں، کہ جن حالات سے وہ خود گزرے، لہٰذا انہوں نے مجھے ایک اور شہر، لیدن کے سکول میں داخل کروا دیا اور انہیں یقین تھا کہ میرے پاس اعلیٰ ترین تعلیم ہے اور ہونی چاہیے۔ پھر چھوٹے بچوں کی ٹیچر بننے کے لئے مجھے ٹریننگ دلوائی گئی جبکہ میں شادی کے انتظار میں رہی کہ میرا ہونے والا شوہر آئے اور میری ذمے داری اٹھائے۔ جس روز میں گھر سے جا رہی تھی تو میری والدہ نے مجھے بلایا اور ایک پیکٹ مجھے دیا، جس میں کچھ بیج تھے، اور پیکٹ تھما کر بولیں:

''مارگریتھا، اسے اپنے ساتھ لے جاؤ''۔

مارگریتھا...... مارگریتھا زیل...... میرا نام تھا اور میں اس نام سے نفرت کرتی تھی۔ بے شمار لڑکیوں کے نام مارگریتھا رکھے گئے تھے کیونکہ اس نام کی ایک مشہور اور با اثر فنکارہ

گزری تھی۔

میں نے اپنی والدہ سے پوچھا کہ یہ بیج کس مقصد کے لئے ہیں؟

''یہ بیج گلِ لالہ کے ہیں، جو ہمارے ملک کا قومی نشان ہے۔لیکن اس سے زیادہ یہ ایک ایسے سچ کی نمائندگی کرتے ہیں جس کا جاننا تمہارے لئے ضروری ہے۔ یہ بیج ہمیشہ گُلِ لالہ کے پھول ہی کھلائیں گے، اگر چہ آپ اس وقت دیگر (پودوں اور) پھولوں سے ممتاز نہیں کر سکتے۔ یہ بیج کبھی بھی گلاب یا سورج مکھی کے پھول پیدا نہیں کر سکتے، چاہے وہ ایسا کرنے کی جتنی بھی خواہش کیوں نہ کریں۔اگر وہ اپنے وجود سے انکار کرنے کی کوشش کریں تو وہ ایک دشوار زندگی گزاریں گے اور مرجائیں گے۔''

''لہٰذا تمہیں اپنی منزل کی تلاش کرنا آنا چاہیے۔خواہ وہ کوئی بھی ہو، اور وہ بھی خوشدلی کے ساتھ۔جیسا کہ پھول کھلتے ہیں تو وہ اپنا حُسن آشکار کرتے ہیں اور تمام لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں؛ پھر جب وہ مرجھا جاتے ہیں تو وہ اپنے بیج چھوڑ جاتے ہیں تاکہ دیگر لوگ (ان بیجوں کے ذریعے) خداوند کے اس عمل کو جاری رکھ سکیں۔

میری والدہ نے بیجوں سے بھرا وہ پیکٹ ایک چھوٹے سے بیگ میں رکھا، اور میں یہ دیکھ رہی تھی کہ وہ، بیماری کے باوجود، اس پیکٹ کو کتنی احتیاط سے سی رہی تھیں۔

''یہ پھول ہمیں سکھاتے ہیں کہ کوئی چیز بھی دائمی نہیں: نہ تو ان کا حُسن، اور نہ یہ حقیقت کہ بالآخر انہوں نے مُرجھا جانا ہے، کیونکہ وہ مستقل نئے بیج پیدا کرتے رہیں گے۔تم یہ بات ہمیشہ یاد رکھو، خاص طور پر جب تم خوشی یا غمی محسوس کرو یا اداسی کا شکار ہو۔ ہر چیز اس مرحلے سے گزرتی ہے، بوڑھی ہوتی ہے، مرتی ہے اور دوبارہ زندہ ہوتی ہے۔''

یہ بات سمجھنے کے لئے مجھے کتنے طوفانوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟ آج اس وقت میں میری والدہ کے بتائے ہوئے الفاظ کھوکھلے اور بے معنی نظر آتے ہیں؛ میں وہ قصبہ چھوڑنے کے لئے بے چین تھی جہاں میرا دم گھٹتا تھا اور اس کے روز و شب ایک جیسے ہی

تھے۔اب جبکہ میں یہ سطور لکھ رہی ہوں تو مجھے احساس ہوا کہ میری والدہ بھی اپنے متعلق ہی گفتگو کر رہی تھیں۔

''انہی جیسے چھوٹے چھوٹے بیجوں سے بڑے بڑے درخت اُگنے کے قابل ہوتے ہیں اور یاد رکھو کبھی بھی جلد بازی کرنے کی کوشش مت کرنا۔''

والدہ نے مجھے پیار کیا اور وداع کیا،اور میرے والد مجھے ریلوے سٹیشن لے آئے۔ راستے میں ہم نے شاذ ہی کوئی بات کی۔

میری جتنے لوگوں سے بھی شناسائی تھی، انھوں نے مجھے شادمانی، زیورات یا معاشرے میں کسی مقام سے نوازا، لیکن مجھے ان تمام لوگوں کے ساتھ شناسائی پر کسی قسم کی پشیمانی نہیں — سوائے ایک شخص کے، سکول کا پرنسپل جس نے مجھے سولہ سال کی عمر میں مجھے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔

اس پرنسپل نے مجھے اپنے دفتر میں بلایا، کمرے کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی، اپنا ہاتھ میری ٹانگوں میں رکھا۔ پہلے پہل میں نے یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کی کہ یہ مناسب وقت اور جگہ نہیں ہے۔ لیکن اس نے ایک نہ سُنی۔ اس نے اپنے ڈیسک سے کاغذات ایک طرف ہٹائے، مجھے ڈیسک پر لٹالیا اور ہوس کا نشانہ بنانے میں جلدی کی کہ جیسے وہ اس بات سے خوفزدہ ہو کہ (اگر دیر ہو گئی تو) کوئی کمرے میں داخل ہو کر انہیں دیکھ لے گا۔

میری والدہ نے ایک مرتبہ اپنی، استعاروں سے بھرپور، گفتگو میں مجھے سمجھایا تھا کہ کسی مرد کے ساتھ شناسائی صرف اسی وقت ہونی چاہیے جب محبت کا عنصر موجود ہو اور جب محبت زندگی کے لئے ہو۔ جب میں پرنسپل کے دفتر سے باہر آئی تو میں بہت خوفزدہ تھی اور تذبذب کا شکار تھی اور میں نے یہ عزم کر لیا کہ میں اس واقعے کا ذکر کسی سے بھی نہیں کروں گی۔ حتیٰ کہ ایک اور لڑکی نے بھی یہی شکایت اس وقت کی جب ہم گروپ میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ جس پر میں یہ بتا سکتی تھی کہ اس قسم کی واردات مزید دو لڑکیوں کے ساتھ بھی ہو چکی ہے، لیکن

ہم یہ شکایت کس سے کریں؟ ہمیں اس بات کا خطرہ تھا کہ ہمیں سکول سے نکال دیا جائے گا اور گھر بھیج دیا جائے گا اور ہم وجہ بھی بیان نہیں کر سکیں گی۔ لہٰذا ہم خاموش رہنے پر مجبور ہو گئیں۔ میرا دل یہ جانتا تھا کہ ایسا صرف میرے ساتھ ہی نہیں۔ بعدازاں جب میں اپنے رقص کی ادائیگی کی وجہ سے پیرس میں مشہور ہو گئی تب جا کر ان لڑکیوں نے دیگر لوگوں سے ان وارداتوں کا ذکر کیا اور جلد ہی پورے لیدن کو معلوم ہو گیا کہ معاملہ کیا تھا۔ پرنسپل پہلے ہی ریٹائر ہو گیا تھا اور کوئی شخص بھی اس کا سامنا کرنے کی جسارت نہیں کر سکا بلکہ، اس کے برعکس، کچھ لوگوں نے پرنسپل سے رشک کا اظہار کیا کہ وہ وقت کی ایک حسین رقاصہ کا عاشق نکلا۔

اس تلخ تجربے کے بعد میں نے جنسی سرگرمیوں کا تعلق کسی لگے بندھے میکانکی عمل سے جوڑ دیا، کوئی ایسی چیز جس کا محبت اور اُنسیت سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو۔

لیدن، لیوواردن سے بھی بدتر تھا؛ بچوں کے اساتذہ کی تربیت کے لئے ایک مشہور سکول تھا، اور ایسے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد جنہیں دوسروں کے کاموں پر تنقید کے علاوہ کوئی اور کام نہیں تھا۔ ایک دن، بوریت کا شکار ہو کر، میں نے اخبار میں اشتہارات پڑھنے شروع کر دیئے، ایک اشتہار میں درج تھا: ڈچ فوج کا ایک آفیسر، جو سکاچ نسب سے تعلق رکھتا تھا، اور اس وقت انڈونیشیا میں تعینات تھا، اپنے لئے ایک جوان دلہن کی تلاش میں تھا، جس کے ساتھ وہ بیرون ملک قیام کر سکے۔

یہی میری نجات کا راستہ تھا! آفیسر، انڈونیشیا۔ حیران کن سمندر اور بدیسی دنیا۔ دقیانوسی، کالونیت [1] والا ہالینڈ، تعصّبات اور بوریت سے بھرا۔ میں نے اس اشتہار کا جواب دیا، ساتھ ہی اپنی بہترین تصویر بھی ارسال کر دی۔ مجھے اس وقت معلوم نہیں تھا کہ یہ اشتہار اس کیپٹن کے دوست نے، ایک مذاق کے طور پر، اخبار میں دے دیا تھا، میرا خط اس کیپٹن کو موصول ہونے والا سولھواں خط تھا۔

(1) جان کالون کے پیروکار

جب وہ مجھ سے ملاقات کے لئے آیا تو اس نے ایسا لباس زیب تن کیا ہوا تھا جیسے وہ ابھی جنگ لڑنے جا رہا ہو: مکمل وردی پہنی ہوئی، بائیں طرف تلوار لٹکتی ہوئی، بڑی مونچھیں جن پر خوشبودار تیل لگایا ہوا جس سے اس کی شخصیت کا بھونڈا پن اور بیہودگی چھپ رہی تھی۔

پہلی ملاقات میں ہم نے چھوٹے موٹے اُمور پر گفتگو کی۔ میں نے دعا کی کہ وہ دوبارہ آئے، میری دعا قبول ہوئی؛ ایک ہفتے بعد وہ واپس آ گیا، جس سے میری سہیلیوں میں رشک وحسد کی لہر دوڑ گئی اور سکول کا پرنسپل بہت مایوس ہوا جو ابھی بھی خواب دیکھ رہا تھا کہ اس پہلے دن کی طرح کا دن دوبارہ آ جائے۔ میں نے محسوس کیا کہ (شادی کی خاطر) آنے والے روڈولف کے منہ سے الکوحل کی بو آ رہی تھی، لیکن میں نے اس کی زیادہ پرواہ نہیں کی۔ وہ میری موجودگی میں گھبرایا ہوا تھا، میں ایک نوجوان لڑکی تھی، جو، میری تمام سہیلیوں کے بقول، اپنی کلاس کی حسین ترین لڑکی تھی۔

تیسری اور آخری ملاقات میں اس شخص نے مجھے شادی کے لئے کہا۔ انڈونیشیا، فوجی کیپٹن۔ دور دراز کے علاقوں کے سفر۔ کسی عورت کو زندگی میں اس سے زیادہ کیا درکار ہوتا ہے؟

''تم ایک ایسے شخص سے شادی کر رہی ہو جو تم سے بیس سال بڑا ہے؟ کیا یہ شخص اس بات سے واقف ہے کہ تم اب ایک کنواری دوشیزہ نہیں ہو؟'' یہ سوال میری سہیلیوں میں سے اس لڑکی نے کیا جس کے ساتھ بھی سکول پرنسپل والا تلخ تجربہ ہو چکا تھا۔

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں اپنے گھر لوٹ گئی۔ روڈولف نے میرے گھر والوں سے رشتہ مانگ لیا، میرے والدین نے جہیز کی خاطر ہمسایوں سے قرض لیا، اور گیارہ جولائی 1895ء کو ہماری شادی ہو گئی، اخبار میں اشتہار پڑھنے کے تین ماہ بعد۔

''تبدیلی، اور بہتری کے لئے تبدیلی'' دو مختلف چیزوں کے نام ہیں۔ اگر انڈونیشیا کے قیام کے دوران دو چیزیں نہ ہوتیں تو میرے یہ ماہ وسال کسی بھیانک خواب سے کم نہیں تھے: ایک رقص اور دوسرا اندریاس نامی آفیسر۔ میرا بھیانک خواب اب دوبارہ سے شروع ہوا چاہتا تھا۔ مجھ سے دور رہنے والا شوہر، جو ہر وقت دوسری عورتوں میں گھرا رہتا تھا، یہاں سے بھاگنا اور گھر واپس جانا بھی ناممکن تھا، ایک ایسی تنہائی جو مہینوں گھر میں مقید رکھتی تھی کیونکہ مجھے وہاں کی زبان نہیں آتی تھی، اور ایک ایسی بات جس کا حوالہ نہیں دیا جا سکتا تھا، دیگر آفیسران مجھے مسلسل گھورتے رہتے تھے۔

کسی بھی عورت کے لئے جو بات خوشی کا باعث ہوتی ہے — اس کے ہاں بچوں کی پیدائش — وہ بھی میرے لئے ایک بھیانک خواب ثابت ہوا۔ جب میں زچگی سے فارغ ہوئی اور میں نے اپنی بیٹی کے ننھے جسم کا لمس محسوس کیا تو میری زندگی، پہلی مرتبہ، خوشی سے بھر گئی۔ روڈولف نے چند مہینوں کے لئے اپنا رویہ تبدیل کیا، لیکن جلد ہی وہ اپنی من پسند چیز کی طرف لوٹ گیا: اپنی مقامی معشوقائیں۔ اس کے بقول کسی بھی ایشیائی عورت کا موازنہ کسی یورپی عورت سے نہیں کیا جا سکتا، کہ جس کے لئے جنسی سرگرمی ایک رقص کی طرح ہوتی ہے۔ اس نے یہ بات مجھے کسی بھی ہچکچاہٹ کے بغیر ہی بتا دی، شاید اس لئے کہ وہ نشہ کئے ہوئے تھا یا شاید میری توہین کرنے کے لئے۔ بعد ازاں اندریاس نے مجھے یہ بات بتائی کہ جب وہ دونوں کسی بے معنی مہم پر کسی نامعلوم مقام کی طرف رواں دواں تھے تو روڈولف نے

شراب کے نشے میں دھت ہو کر کہا تھا: ''میں مارگریتھا کی طرف سے خدشے کا شکار رہتا ہوں، کیا تم نے کبھی غور کیا کہ دیگر آفیسران اس کی طرف کسی طرح گھورتے ہیں؟ وہ مجھے کسی بھی لمحے چھوڑ سکتی ہے''۔

یہی وہ بیمار منطق تھی جو مردوں کو اس خوف میں مبتلا کرتی ہے کہ کوئی بھی شخص کسی وقت بھی کسی عفریت کا روپ اختیار کر سکتا ہے۔ اس خوف نے اسے مزید بدتر کر دیا۔ اس نے مجھے کسبی اور بازاری عورت کہا کیونکہ جب میں اسے پہلی مرتبہ ملی تو میں ایک کنواری لڑکی نہیں تھی۔ وہ مجھ سے ہر اس شخص کے بارے میں تفصیلات طلب کرنا چاہتا کہ جو اس کے اپنے ذہن میں آتا تھا۔ آہیں اور سسکیاں بھرتے ہوئے میں نے اسے پرنسپل کے دفتر میں ہونے والی واردات سنا ڈالی۔ کبھی تو وہ مجھے مارتا پیٹتا تھا اور کہتا تھا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں اور کبھی وہ اس سانحے کی روداد سے جنسی حظ اٹھاتا اور مزید تفصیلات طلب کرتا۔ اس پر مجھے مزید تفصیلات گھڑنی پڑتیں، یہ سمجھے بغیر کہ میں ایسا کیوں کر رہی ہوں۔

وہ اس حد تک چلا گیا کہ اس نے میرے ساتھ ایک ملازم روانہ کیا اور مجھ سے کہا گیا کہ میں ایسے کپڑے خریدوں جو سکول یونیفارم دکھائی دیں اور مجھے وہ کپڑے اس سے ''ملاقات'' کے وقت پہننے پڑتے۔ جب کبھی اس کے سر پر انجانا بھوت سوار ہوتا تو وہ مجھے وہی لباس پہننے کا کہتا۔ اسے جنسی استحصال والے منظر کو دوہرانے میں بہت لطف آتا؛ وہ مجھے ڈیسک پر لٹا لیتا اور میرے ساتھ جنسی درندگی کا رویّہ اپناتا، جیسے ہی میں چیختی اور تمام ملازم میری چیخیں سنتے تو یہ سمجھا جاتا کہ مجھے یہ سب کچھ بہت پسند ہے۔

کبھی کبھار مجھے ایک اچھی اور کم عمر لڑکی کی طرح پیش آنا پڑتا کہ جس نے جنسی زبردستی کے فعل کو برداشت کیا؛ اور کبھی وہ مجھے چیخنے پر مجبور کرتا تاکہ وہ مزید وحشی ہو جائے، کہ جیسے میں کسبی اور بازاری عورت ہوں اور مجھے یہ سب کچھ اچھا لگتا ہے۔

بتدریج میں یہ بھول گئی کہ میں کون ہوں۔ میرے شب و روز میری بیٹی کی دیکھ بھال

میں گزرتے رہے، اور میں سپاٹ چہرہ لئے گھر میں اِدھر سے اُدھر پھرتی رہتی۔ میں اپنے چہرے کی جھریوں کو گہرے میک اپ میں چھپانے کی کوشش کرتی لیکن مجھے معلوم تھا کہ میں کسی کو بھی بے وقوف نہیں بنا رہی تھی۔

میں دوبارہ امید سے ہوگئی، میں نے اپنی زندگی کے کچھ دن انتہائی خوشگوار گزارے اور یہ دن میرے بیٹے کی نگہداشت میں گزرے، لیکن اس بچے کو ایک آیا نے زہر دے دیا، اور اس آیا کو اپنے اس جرم کی وضاحت کرنے کا موقع ہی نہیں ملا؛ جس دن وہ بچہ مردہ پایا گیا، دیگر ملازمین نے اس آیا کو اسی دن مار ڈالا۔ بالآخر اکثر لوگوں کی یہی رائے سامنے آئی کہ یہ اس آیا کا دیرینہ ردِّعمل تھا کیونکہ اسے مسلسل مارا پیٹا جاتا، اس کا جنسی استحصال کیا جاتا اور اس سے غیر معینہ گھنٹوں تک کام لیا جاتا۔

اب میرے پاس صرف میری بیٹی تھی، ایک گھر جو ہمیشہ خالی رہتا، ایک ایسا شوہر جو مجھے اس خوف سے کہیں بھی نہیں لے جاتا تھا کہ اسے ڈر تھا کہ میں اسے دھوکہ دے دوں گی، ایک بہت خوبصورت شہر مجھے ایذا رساں محسوس ہوتا تھا؛ یہی وہ ''جنت'' تھی جس میں مَیں رہ رہی تھی، اپنی ''دوزخ'' کے اندر۔

پھر ایک دن ہر چیز یکسر تبدیل ہوگئی۔ رجمنٹ کمانڈر نے تمام آفیسران اور ان کی بیگمات کو مقامی رقص پارٹی میں مدعو کیا، یہ پارٹی اس جزیرے کے ایک حکمران کے اعزاز میں منعقد کی گئی تھی۔ روڈولف اپنے کسی اعلیٰ آفیسر کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مجھے کوئی مہنگا اور شہوانی لباس پہننے کا کہا۔ میں لفظ ''مہنگے'' کا مطلب سمجھ گئی، اس کا مطلب مجھے نوازنے سے زیادہ اپنی امارت کا دکھاوا تھا۔ لیکن اگر — جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا — وہ مجھ سے اتنا ''خوفزدہ'' تھا تو اس نے مجھے شہوانی قسم کا لباس پہننے کا کیوں کہا؟

ہم پارٹی کے مقام پر پہنچ گئے۔ عورتیں میری طرف رشک اور حسد بھری نظروں سے جبکہ مرد للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے اور میں نے یہ محسوس کیا کہ روڈولف بہت خوشی

محسوس کر رہا تھا۔ یہ بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ شام ایک بھونڈے طریقے سے اختتام پذیر ہو گی، کیونکہ مجھے یہ بیان کرنے پر مجبور کیا گیا کہ میں تمام آفیسران کے سامنے بتاؤں کہ میں اس وقت کیا کرنے کا سوچتی ہوں جب روڈولف مجھے مارتا پیٹتا ہے اور جنسی تشدد کرتا ہے۔ کسی بھی ممکنہ طریقے سے مجھے وہ ایک چیز بچانی تھی جو باقی رہ گئی تھی: اپنا آپ۔ اور وہ واحد راستہ جو مجھے نظر آیا وہ یہ تھا کہ میں اندریاس سے طویل گفتگو شروع کر دوں، اس کی بیوی مجھے خوف اور حیرت سے دیکھتی رہی۔ میں اپنے شوہر کے گلاس کو مسلسل بھرتی رہی، اس امید کے ساتھ کہ وہ نشے میں دُھت ہو کر گر جائے۔

میں چاہتی تھی کہ میں جاوا سے متعلق مزید نہ لکھوں، کم از کم اس لمحے؛ کہ جب ماضی ایک ایسی یاد کھینچ لایا جو پرانے زخم کھول دے، اچانک دیگر زخم بھی کھل جاتے ہیں اور روح کو، گہرے زخم لگا کر لہولہان کر دیتے ہیں حتیٰ کہ آپ گھٹنوں کے بل ہو کر رو پڑیں۔ لیکن میں تین چیزوں کو سامنے لائے بغیر رُک نہیں سکتی، کہ جنہوں نے، بعدازاں، میری زندگی تبدیل کردی: میرا فیصلہ، وہ رقص جو ہم نے دیکھا اور اندریاس۔

میرا فیصلہ: میں مزید مسائل جمع نہیں کر سکتی تھی اور انسانی برداشت کی حد سے زیادہ بڑھ کر زندگی نہیں گزار سکتی تھی۔

جیسے ہی یہ خیال میرے ذہن میں آیا، وہ گروپ جس نے مقامی حکمران کے اعزاز میں رقص کرنا تھا، سٹیج پر جانا شروع ہوا، وہ کل نو افراد تھے۔ میں نے اس شہر کے تھیٹروں میں چند پروگرام دیکھے تھے، ان تھیٹروں میں چلنے والی شوریدہ سر، مُسرت بخش، اور احساسات کی ترجمانی کرنے والی موسیقی کے برعکس ہر چیز بڑی سُست روی سے آگے بڑھ رہی تھی، پہلے پہل تو میں بدترین بوریت کا شکار ہوئی، لیکن اس کے بعد میں ایک قسم کے مذہبی وجد میں مبتلا ہو گئی کیونکہ رقص کرنے والے، موسیقی کے زیرِ اثر آ چکے تھے اور وہ ناممکن قسم کے جسمانی انداز اختیار کر رہے تھے۔ ایک ہی لہر میں ان کے جسم آگے اور پیچھے کی طرف جھکتے

تھے اور انگریزی کے حرف "S" کی شکل اختیار کر رہے تھے؛ وہ رقص کرنے والے وہاں موجود رہے تاوقتیکہ ان کے جسموں کا سکوت اچانک باہر نکل آیا کہ جیسے چیتے گھات لگانے کے لئے تیار ہوں۔

وہ تمام رقاص اپنے جسموں پر نیلا پینٹ کئے ہوئے تھے اور انہوں نے مقامی ورواتی لباس پہنے ہوئے تھے، اپنے سینوں پر ریشمی ربن باندھے ہوئے تھے جس کا مقصد مردوں کے پٹھوں کو وضع کرنا اور عورتوں کی چھاتیوں کو ڈھانپنا تھا۔ عورت رقاصاؤں نے، دستی بنے ہوئے، دستار پہن رکھے تھے جن پر قیمتی نگ جڑے تھے۔ انتہائی خوشگوار لمحات میں انہوں نے جنگ لڑنے کی نقالی کی، ان کے ریشمی ربن تصوراتی تلواروں کا کام دے رہے تھے۔

مجھ پر وجد طاری ہو گیا، پہلی مرتبہ مجھے سمجھ میں آیا کہ روڈولف، ہالینڈ، میرا بیٹا، جسے مار دیا گیا، یہ تمام چیزیں ایک ایسی دنیا کا حصہ تھیں جو مر چکی ہے لیکن اسے دوبارہ پیدا ہونا ہے بالکل ان بیجوں کی طرح جو میری والدہ نے مجھے دیئے تھے۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ کی، ستارے، پھر کھجور کے درختوں اور پتوں کی طرف۔ میں بالکل تیار تھی کہ خود کو کسی اور سمت، کسی اور جہان میں لے جاؤں کہ جب اندریاس کی آواز درمیان میں حائل ہوئی:

''کیا آپ کو یہ تمام چیزیں سمجھ میں آ رہی ہیں؟''

میرا خیال ہے مجھے ضرور سمجھنی چاہئیں کیونکہ اب میرا دل خون کے آنسو بہانا بند کر گیا ہے، اور اب میں حسن وخوبصورتی کا، اپنی خالص ترین صورت میں، مشاہدہ کر سکتی ہوں۔ تاہم مرد ہمیشہ اور ہر وقت کسی نہ کسی چیز کی وضاحت کرنے کی ضرورت محسوس کرتے رہتے ہیں، اور اس نے بتایا کہ اس قسم کے بیلے (رقص) کا تعلق قدیم ہندوستان سے جُڑا ہے جس میں یوگا اور مراقبے کا حسین ملاپ ہے۔ تاہم وہ خود یہ سمجھنے سے قاصر رہا کہ رقص تو ایک نظم کا نام ہے اور اس رقص کی ہر جنبش ایک لفظ کی نمائندہ ہوتی ہے۔

میری روحانی یوگا اور، اچانک شروع ہو جانے والی، مراقبے کی کیفیت میں مداخلت

سے میں نے یہ ضرورت محسوس کی کہ مجھے کسی بھی قسم کی گفتگو میں مصروف ہو جانا چاہیے تاکہ بداخلاقی کا گمان نہ ہو۔

اندریاس کی بیوی بھی مجھے مسلسل دیکھ رہی تھی اور اندریاس خود بھی میری طرف متوجہ تھا۔ روڈولف مجھے گھورے جا رہا تھا۔ اندریاس اور معزز مہمان خصوصی کے خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون میری باتوں کا جواب اپنی مسکراہٹوں سے دے رہے تھے۔

ہم کچھ دیر مصروف گفتگو رہے، اس بات کے باوجود کہ جاوا کے مقامی باشندے ہمیں گھناؤنی نظروں سے دیکھ رہے تھے کیونکہ غیر ملکی مہمان مقامی لوگوں کی مذہبی رسومات کی تعظیم کرتے ہوئے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ شاید اسی وجہ سے یہ پروگرام متوقع وقت سے پہلے ہی ختم کرنا پڑا، تمام ترقاص، جلوس کی سی صورت میں، واپس آنے لگے جبکہ ان کی نگاہیں ان کے ہم وطنوں پر ہی مرکوز رہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی ''گورے ظالموں'' کی طرف نہیں دیکھا، کہ جو اپنی اپنی بیگمات کو زرق برق لباس پہنا کر یہاں لائے تھے ان کے، بھرائی ہوئی آواز سے بھرپور، قہقہے، روغن اور چکناہٹ سے مزین مونچھیں اور داڑھیاں اور ان کے خوفناک قسم کے ''اخلاقیات''۔

جیسے ہی میں نے روڈولف کو دوبارہ جام بھر دیا تو وہ جاوا کی اس مقامی عورت کی طرف چلا گیا جو اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی اور وہ اسے بے خوف ہو کر دیکھتی ہی رہی۔

اندریاس کی بیوی (ہمارے قریب) آن پہنچی، اس نے اندریاس کا ہاتھ تھاما اور اس انداز سے مسکرائی گویا کہہ رہی ہو ''یہ میرا ہے''، اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے شوہر کی اس لگاتار گفتگو میں بہت دلچسپی لے رہی تھی، جو وہ رقص سے متعلق کر رہا تھا۔

پھر اس نے اچانک گفتگو میں مُخل ہوتے ہوئے کہا، ''گزشتہ تمام سالوں میں، میں تمہارے ساتھ مخلص رہی ہوں''۔

''تم ہی وہ شخص ہو جو میرے دل اور میری سرگرمیوں پر حکمرانی کرتے ہو، خداوند میرا

گواہ ہے، میں ہر رات تم سے کہتی رہی کہ تم صحیح سلامت گھر لوٹ آؤ۔ اگر مجھے تمہاری خاطر اپنی زندگی دینی پڑے تو میں ایسا بلا خوف وخطر کر ڈالوں گی''۔

اندریاس میری طرف متوجہ ہو کر بولا کہ وہ معذرت خواہ ہے اور اسے اب جانا ہوگا کہ اب یہ تقریب ہر شخص کے لئے بوریت کا سبب بن چکی ہے۔ لیکن اس کی بیوی نے کہا کہ وہ بالکل بھی نہیں ہلے گی؛ اس عورت نے یہ بات اتنے اعتماد سے کہی کہ اس کا شوہر وہیں رُک گیا۔

''میں نے بڑے صبر واستقامت کے ساتھ اس بات کا انتظار کیا کہ تم یہ سمجھ جاؤ کہ تم ہی میری زندگی میں اہم ترین چیز ہو۔ میں تمہارے پیچھے چلتی چلتی یہاں تک آن پہنچی۔ خوبصورت ہونے کے ناطے یہ تمام بیگمات، بشمول مارگریتھا، کے لئے ایک بھیانک خواب ہوگا''۔

پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوئی، اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں میری رضامندی کا تقاضا کر رہی تھیں اور مجھ سے عورتوں کی قدیم روایات پر چلنے کا کہہ رہی تھیں جہاں وہ ایک دوسرے کی دشمن اور شریکِ جرم ہو جاتی ہیں۔ اس وقت مجھ میں ذرا سی بھی حرکت کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

''میں اپنی تمام تر قوت کے ساتھ اپنی اور تمہاری محبت کے لئے لڑی لیکن آج یہ محبت اپنے انجام کو پہنچ گئی۔ وہ پتھر جو میرے دل پر دھرا تھا اب ایک بھاری چٹان بن چکا ہے اور اب یہ میرے دل کو دھڑکنے نہیں دے رہا۔ اور میرا دل، اپنی آخری دھڑکن تک، مجھے یہ پیغام دے گیا کہ اس دنیا کے علاوہ بھی اور دنیائیں ہیں، ایسی دنیائیں کہ جہاں مجھے اپنی زندگی کے کھوکھلے اور خالی دن ورات بھرنے کے لئے کسی مرد کی صحبت کے لئے بھیک نہیں مانگنی پڑے گی''۔

مجھے کسی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی المیہ ہوا چاہتا ہے؛ میں نے اسے حوصلے میں رہنے کا کہا؛ کہ وہ ہمارے گروپ میں سب کے لئے پسندیدہ ہے اور اس کا شوہر ایک مثالی آفیسر ہے۔ اس نے اپنا سر جھٹکا اور مسکرائی، کہ جیسے وہ یہ جملہ کئی مرتبہ سُن چکی ہے۔ اس نے بات جاری رکھی!

''میرا جسم سانس لینا جاری رکھ سکتا ہے، لیکن میری روح مر چکی ہے۔ میں اس مقام پر تمہیں چھوڑ بھی نہیں سکتی اور نہ ہی تمہیں یہ سمجھا سکتی ہوں کہ مجھے، میرے حوالے سے، تمہاری ضرورت ہے''۔

اندریاس، جو ہالینڈ کی فوج کا ایک آفیسر تھا، اور جو مثالی شہرت کا حامل تھا، وہ اس صورت حال سے پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ میں مُڑی اور میں نے وہاں سے چلنا شروع کر دیا، اس نے اپنے شوہر کا ہاتھ چھوڑا اور میرا ہاتھ تھام لیا۔

''صرف اور صرف محبت ہی اس چیز کو کوئی معانی دے سکتی ہے، جو چیز، حیثیت میں کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اور (ہمارے معاملے میں) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے پاس وہ محبت نہیں۔ لہٰذا اب زندہ رہنے کا کیا جواز نظر آتا ہے؟''

اس کا چہرہ میرے چہرے کے بالکل سامنے تھا؛ میں نے اس کی سانسوں میں الکوحل کی بو سونگھنے کی کوشش کی، لیکن ایسا نہیں تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنے چاہے لیکن وہ بھی نہیں تھے۔ شاید وہ خشک ہو چکے تھے۔

''مارگریتھا، برائے مہربانی، میں چاہتی ہوں کہ تم کھڑی رہو، تم ایک اچھی عورت ہو، ایک ایسی عورت جس نے ایک بچہ کھو دیا۔ اگرچہ میں کبھی بھی امید سے نہیں ہوئی لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس نقصان کا کیا مطلب ہے۔ میں یہ سب کچھ اپنے لئے نہیں کر رہی، بلکہ ان تمام عورتوں کے لئے جو اپنی، فرضی آزادی میں، قید ہیں''۔

پیشتر اس کے کہ ہم میں سے کوئی اسے روکتا، اندریاس کی بیوی نے اپنے پرس میں سے ایک چھوٹی سی پستول نکال لی، اپنے دل کی طرف کی اور گولی چلا دی۔ اگرچہ گولی چلنے کا بہت سا شور اس کے لمبے کوٹ کی وجہ سے نسبتاً کم ہو گیا تاہم لوگ ہماری طرف مُڑ گئے۔ پہلے پہل شاید لوگ یہ سمجھے ہوں کہ میں نے یہ جرم سرزد کیا کیونکہ، چند سیکنڈ پہلے ہی اس نے مجھے پکڑا ہوا تھا۔ لیکن جلد ہی ان لوگوں نے میرے چہرے پر خوف کے آثار دیکھے، اندریاس

اس پر جھکا ہوا تھا اور اس خون کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا جو اس کی شریک حیات کی جان لئے جا رہا تھا۔ اس نے اپنے شوہر کے ہاتھوں میں جان دی، اس کی آنکھوں سے کسی قسم کے تاثرات عیاں نہیں تھے، صرف اور صرف سکون۔ روڈولف سمیت، تمام لوگ قریب آ گئے، جاوا کی مقامی عورتیں دوسری سمت چلی گئیں، شاید اس بات سے خوفزدہ ہو کر کہ اتنے سارے مسلح اور نشے میں دُھت افراد کی موجودگی میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ پیشتر اس کے کہ لوگ یہ پوچھنا شروع ہوتے کہ کیا ہوا ہے، میں نے اپنے شوہر سے کہا کہ کیا ہم اسی وقت یہاں سے جا سکتے ہیں؛ وہ بغیر کچھ کہے اس بات پر رضامند ہو گیا۔

جب ہم گھر پہنچ گئے، تو میں فوراً اپنے بیڈروم میں چلی گئی اور اپنے کپڑے پیک کرنا شروع کر دیئے۔ روڈولف صوفے پر اوندھے منہ پڑ گیا، جو اس وقت دُھت تھا۔ اگلی صبح جب وہ بیدار ہوا اور پُر تکلف ناشتہ کیا، جو اس کے سٹاف نے تیار کیا تھا، تو اس نے میرا سوٹ کیس دیکھا، اور پہلی مرتبہ مجھ سے کسی موضوع پر بات چیت شروع کی۔

''تم کہاں جانے کا سوچ رہی ہو؟''

''اگلے ہی بحری جہاز سے ہالینڈ، یا پھر سیدھی جنت میں، جیسے ہی مجھے وہ موقع میسر آتا ہے، جو اندریاس کی بیوی کو میسر آیا تھا۔ اس کا فیصلہ تم نے کرنا ہے''۔

وہ شخص ہمیشہ حکم صادر کرنے کا عادی تھا۔ لیکن اس وقت میری آنکھوں کی چمک تبدیل ہو چکی تھی کیونکہ ایک لمحے کے تذبذب کے بعد وہ گھر سے باہر چلا گیا۔ اس رات جب وہ گھر واپس آیا تو اس نے کہا کہ ہمیں ان چھٹیوں سے استفادہ کرنا چاہیے جو اسے فوج کی طرف سے تفویض کی گئی ہیں۔ دو ہفتے بعد وہ پہلے ہی بحری جہاز سے روٹرڈیم چلے جائیں گے۔

میں اندریاس کی بیوی کے خون سے بپتسمہ کر چکی تھی اور اس رسم کے طفیل، میں ہمیشہ کے لئے آزاد ہو چکی تھی، تاہم ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ یہ آزادی کہاں تک جائے گی۔

میرے پاس جو بھی قیمتی وقت بچا ہے اس کا ایک حصہ — اگرچہ مجھے قوی امید ہے کہ صدر مملکت میری رحم کی اپیل منظور کر لیں گے اور مجھے معافی مل جائے گی، کہ وزیروں میں سے بہت سے افراد سے میری دوستی ہے — آج مسٹر لارنس نے لے لیا، وہ میرے پاس اس سامان کی فہرست لے آئیں جو میری گرفتاری کے وقت قبضے میں لیا گیا تھا۔

تمام تر ممکنہ احتیاط کے ساتھ، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ اگر میرا مقدمہ بدترین صورت اختیار کر لیتا ہے تو میں اس سامان کا کیا کروں۔ میں نے جواب میں کہا کہ وہ مجھے فی الوقت تنہا چھوڑ دیں کیونکہ اس نہج پر پہنچ کر میرے پاس گنجائش نہیں کہ میں اپنا وقت ضائع کر سکوں۔ لیکن اگر صورت حال بدترین ہو جاتی ہے تو اس کا ایک ممکنہ راستہ ہے، اس سامان کا مصرف ان کے ہاتھ ہے، جو وہ کرنا چاہیں۔ میں یہاں تمام چیزوں کو اپنے پاس نوٹ کر رہی ہوں، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

ٹرنک (1)

1 عدد سونے کی گھڑی جس پر نیلے رنگ کی استر کاری کی گئی تھی، اسے سوئٹزر لینڈ سے خریدا گیا تھا؛ اور

1 عدد گول بکس جس میں 6 عدد ہیٹ، 3 عدد پن جن میں موتی اور سونا جڑا ہوا تھا، تین عدد لمبے پر، ایک نقاب، 2 عدد فر والے گردن پوش، ہیٹ میں لگانے کے لئے تین عدد آرائشی پن، ناشپاتی کی شکل کا ایک بروچ، اور ایک چھوٹا گاؤن۔

ٹرنک (2)

1 عدد جوڑا، گھڑسواری کے جوتوں کا؛

1 عدد گھوڑے کا برش؛

1 عدد ڈبی جوتوں کے پالش کی؛

1 جوڑا پاپوشہ؛

1 جوڑا دندانے دار ایڑھ؛

5 جوڑے چمڑے کے جوتے؛

3 عدد سفید شرٹ، جو گھڑسواری کے کپڑوں کے ساتھ کی تھیں؛

1 نیپکن...... مجھے نہیں معلوم یہ اس جگہ پر کیوں رکھا ہے؛ شاید میں نے اسے اپنے بوٹ پالش کرنے کے لئے استعمال کیا تھا؛

1 جوڑا ساق پوش، ٹانگوں کی حفاظت کی خاطر؛

3 سیٹ چھاتیوں کو سہارا دینے کے لئے، تا کہ یہ (چھاتیاں) گھوڑے کی چھلانگ کے دوران ٹھوس اور ساکن دکھائی دیں؛

8 جوڑے ریشمی پاجامے اور 2 عدد سوتی پاجامے؛

2 عدد چمڑے کی بیلٹ تا کہ وہ گھڑسواری کے مختلف کپڑوں سے میل کھا سکیں؛

4 جوڑے دستانے؛

1 عدد چھتری؛

3 عدد وائزر جو سورج کی روشنی سے آنکھوں کو بچاتے ہیں؛

3 جوڑے اونی موزے، ان میں سے ایک جوڑا استعمال سے پرانا ہو چکا؛

1 عدد بیگ جو کپڑوں کو رکھنے کا کام دیتا ہے؛

15 عدد زنانے پیڈ؛

1 عدد اونی سوئیٹر؛

1 عدد گھڑسواری کا مکمل سوٹ، اس کے ساتھ اسی رنگ کی جیکٹ اور پینٹ؛

1 عدد بکس معہ بالوں کا کلپ؛

1 عدد نقلی بالوں کا گچھا، جس کے ساتھ ایک کلپ جو اس گچھے کو قدرتی بالوں سے جوڑنے کا کام دیتا ہے؛

3 عدد گردن پوش جو لومڑی کے بالوں کی فر سے بنے تھے؛ اور

2 عدد بکس جس میں چہرے کا پاؤڈر تھا۔

ٹرنک (3)

6 جوڑے گارٹر [1]؛

1 بکس (چہرے کو نمی دینے والی) کریم؛

3 جوڑے اونچی ایڑھی والے چمڑے کے بوٹ؛

2 شکم بند؛

34 (کپڑے کے) جوڑے؛

1 عدد، ہاتھ کا بنا، کپڑے کا تھیلا جس میں کسی نامعلوم پودے کے بیج تھے؛

8 عدد انگیا؛

1 عدد شال؛

10 عدد آرام دہ زیر جامے؛

3 ویسٹ کوٹ؛

(1) موزے یا زیر جامے کو سہارا دینے والی الاسٹک

2عدد لمبی آستینوں والی جیکٹ؛

3عدد کنگھے؛

16عدد بلاؤس؛

ایک اور بڑا گاؤن (جو رقص کی محفل میں پہنا جاتا ہے)؛

ایک عدد تولیہ اور ایک عدد خوشبودار صابن کی ٹکیہ؛

میں ہوٹل میں موجود صابن استعمال نہیں کرتی کیونکہ وہ جراثیم منتقل کر سکتے ہیں؛

ایک عدد موتیوں کا ہار؛

ایک دستی بیگ جس میں چھوٹا آئینہ موجود تھا؛

ایک، ہاتھی دانت کی بنی، کنگھی؛

2عدد چھوٹے بکس جس میں رات سونے سے پہلے زیورات اتار کر رکھے جاتے ہیں؛

1عدد تانبے کی ڈبیا جس میں کالنگ کارڈز تھے، جو ویدیم ڈی مسلوف، کیپٹن ڈو پریمیئر رجمنٹ سپیشل امپیریئل روسے کے نام سے تھے؛

1عدد لکڑی کا بکس جس میں ایک ٹی سیٹ تھا؛

یہ سیٹ مجھے ایک ٹرپ کے دوران دیا گیا تھا؛

2عدد شب خوابی کے گاؤن؛

1عدد مصنوعی ناخنوں کی فائل جس کا ہینڈل موتیوں سے جڑا تھا؛

2سگریٹ کیس، ایک چاندی کا بنا ہوا اور ایک سونے کا یا سونے کا ورق چڑھا ہوا، یقین سے نہیں کہا جا سکتا؛

8عدد بالوں پر چڑھانے والے نیٹ؛

چھوٹے بکس جس میں گلے کے ہار، بُندے، ایک زمرد والی انگوٹھی، ایک اور انگوٹھی



جس میں زمرد اور ہیرا جڑا تھا، اور لباس کے ساتھ پہننے والے معمولی قدر کے زیورات؛

ایک ریشمی بیگ جس میں 21 عدد سکارف اور رومال تھے؛

3 عدد (دستی) پنکھے؛

لپ سٹک اور غازہ، فرانس کے اعلیٰ ترین برانڈز کی بنی؛

1 عدد فرانسیسی کی لغت؛

ایک عدد البم جس میں میری کئی تصاویر تھیں؛ اور......

حماقتوں پر مبنی بہت سی چیزیں، جن کے بارے میں، میں نے سوچ رکھا ہے کہ ان سے چھٹکارا حاصل کرلوں گی جیسے ہی میں یہاں سے رہائی پاؤں گی، چاہنے والوں کی طرف سے محبت نامے جو ریشمی ربن سے مزین تھے، اوپیرا ہاؤسز کے، استعمال شدہ، ٹکٹ کہ جہاں میں بڑے شوق سے جایا کرتی تھی، اسی طرح کی چند اور چیزیں۔

ان میں سے بہت سی اشیاء پیرس میں واقع ہوٹل میورس نے ضبط کر لی تھیں، کیونکہ وہ سوچ رہے تھے— یقیناً ان کی سوچ غلط تھی— کہ میرے پاس ہوٹل میں قیام کے اخراجات ادا کرنے کی سکت نہیں۔ وہ ایسا کیسے سوچ سکتے تھے؟ بہر حال پیرس ہی میرا ترجیحی مقام رہا ہے؛ میں انہیں ایسا سوچنے بھی نہیں دوں گی کہ وہ میرے بارے میں ایک فریبی اور چکمے باز عورت کا تصور بھی ذہن میں لائیں۔

میں خوشی نہیں مانگ رہی تھی؛ میں تو صرف اور صرف یہ کہہ رہی تھی کہ مجھے اتنا اداس اور قابل رحم نہیں ہونا چاہیے تھا جتنا میں تھی۔ شاید میرے اندر ذرا سا صبر اور ہوتا، تو میں، مختلف حالات کے تحت، پیرس روانہ ہو جاتی۔ لیکن میں کبھی بھی اپنے والد کی نئی بیوی، اپنے شوہر، ایک بچہ جو ہر وقت روتا ہے یا ایک چھوٹے قصبے کے لئے، جو تنگ نظر اور مقامی لوگوں سے بھرا ہے، اور مجھے اب بھی بڑی طنزیہ نظروں سے دیکھتا ہے، حالانکہ اب میں ایک شادی شدہ اور معزز خاتون ہوں، غرض ان تمام چیزوں کے لئے جوابی الزام سے کام نہیں لوں گی۔

ایک دن میں ٹرین میں بیٹھ کر ہیگ چلی گئی اور وہاں فرانسیسی قونصل خانے پہنچ گئی حالانکہ وہاں میرا کوئی بھی واقف کار نہیں تھا۔ ایک ایسا کام جس کے لئے انتہائی مہارت اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ ابھی طبلِ جنگ نہیں بجا تھا اور (کسی) ملک میں داخل ہونا آسان ہی تھا؛ کیونکہ ہالینڈ ان ملکی تنازعات میں غیر جانبدار ہی رہا ہے جن کی وجہ سے یورپ کو تاراجی کا سامنا کرنا پڑا، اور میں بھی خاصی پر اعتماد تھی۔ میں قونصلر سے ملی اور اس کے ساتھ کیفے میں دو گھنٹے اکٹھے گزارنے کے بعد، کہ جس دوران اس نے مجھے (جنسی طور پر) ورغلایا اور میں نے بھی یہ ظاہر کیا کہ میں اس کے فریب میں آ گئی ہوں، میں پیرس جانے کی اجازت لینے میں کامیاب ہوئی۔ میں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ میں وہاں پہنچ کر اس کا انتظار کروں گی، اور وہ وہاں چند دن کے لئے، نکلنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

''مجھے معلوم ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ کشادہ دلی سے کیسے پیش آتے ہیں جو میری مدد کرتے ہیں''، میں نے اشارتاً کہا۔ وہ بات سمجھ گیا اور مجھ سے پوچھا کہ وہ میرے لئے کیا کرسکتا ہے۔

''میں مشرقی موسیقی کی کلاسیکی رقاصہ ہوں''۔

مشرقی موسیقی؟ اس انکشاف سے اُس کے تجسس میں مزید اضافہ ہوگیا۔ میں نے اس سے عرض کی کہ کیا وہ میرے لئے کسی ملازمت کا بندوبست کرسکتا ہے۔ وہ بولا کہ وہ میرا تعارف شہر کے ایک بااثر شخص سے کرواسکتا ہے جس کا نام مونسیور گیومے تھا، جو فنون کی چیزیں جمع کرنے کے ساتھ ساتھ مشرق کی ہر چیز کو انتہائی پسند کرتا ہے۔ مجھے روانگی کے لئے کب تیار ہوجانا چاہیے؟

''آج ہی، اگر تم میرے لئے (بھی) رہائش کا بندوبست کرسکو تو''۔

وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ اسے بڑے سلیقے سے برتا جارہا تھا۔ میں ان عورتوں میں سے ایک تھی جو امیر کبیر مردوں اور پرآسائش زندگی کے پیچھے پیچھے پھر کر اپنے خوابوں کی تعبیر تلاش کرتی ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ بڑے ہی محتاط طریقے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ میری بات تو سُن رہا تھا لیکن ساتھ ساتھ میری ہر حرکت، لفظ اور اشارے پر دھیان دیئے ہوئے تھا۔ برعکس اس کے کہ جو تم سوچ رہے ہو، میں، جو ایک چنڈال کی طرح پیش آتی رہی ہوں۔ اس شخص کے ساتھ دنیا کی مہذب ترین عورت کی طرح پیش آرہی تھی۔

''اگر آپ کے وہ دوست پسند کریں (گے) تو میں ان کے سامنے جاوا کے ایک یا دو روایتی رقص پیش کردوں گی۔ اگر انہوں نے پسند نہ کیا تو میں، اسی دن، ٹرین میں بیٹھ کر واپس آجاؤں گی''۔

''لیکن، مادام......''

''مس''۔

"آپ نے تو یک طرفہ ٹکٹ کے لئے کہا تھا۔"

میں نے اپنی جیب سے کچھ رقم نکال کر اُسے دکھائی کہ میرے پاس واپسی کے لئے خاصی رقم تھی۔ میرے پاس جانے کے لئے بھی خاصی رقم ہے، لیکن کسی مرد کو اس بات کی اجازت دینا کہ وہ کسی عورت کی مدد کر سکے، اس مرد کو "حملے کی زد میں" لے آتی ہے۔ یہی تمام مردوں کا خواب ہوتا ہے۔ یہ بات مجھے جاوا میں آفیسران کی بیگمات نے بتائی تھی۔

وہ مطمئن ہو گیا اور میرا نام پوچھا تا کہ مونسیور گیومے کو حوالہ جاتی خط لکھ سکے۔ میں نے کبھی اس سے متعلق نہیں سوچا! ایک نام؟ میرا اصل نام میرے خاندان سے ناطہ جوڑ دے گا اور آخری بات یہ کہ فرانس (ایسے حالات میں) ایک غیر جانبدار ملک سے اچھے تعلقات رکھنا چاہتا تھا، وہ بھی ایک عورت کے بہانے جو فرار کے لئے بیتاب ہو۔

"آپ کا نام؟" اس نے دوہرایا، کاغذ اور قلم اس کے ہاتھ میں تھے۔

"ماتاہری"۔

میں نے خود کو، ایک مرتبہ پھر، اندریاس کی بیوی کے خون سے رنگین محسوس کیا۔

میں یقین نہیں کرسکتی تھی کہ میں کیا دیکھ رہی تھی۔ لوہے کا بنا ایک دیوہیکل مینار جو آسمان تک بلند محسوس ہو رہا تھا، جو میں نے، اب تک، شہر کے کسی پوسٹ کارڈ پر نہیں دیکھا تھا۔ دریائے سین [1] کے دونوں کناروں پر چین، اٹلی اور دیگر مشہور ترین ممالک کی طرز پر بنی عالیشان عمارات استادہ تھیں۔ انہی عمارات میں، میں نے ہالینڈ کی طرز کی کوئی عمارت تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن مجھے نہ مل سکی۔ کیا چیز ہے جو میرے ملک کی نمائندگی کرتی ہے؟ وہی پرانی طرز کی پون چکیاں؟ لکڑی کے بنے بھاری بھرکم جوتے؟ ان تمام چیزوں کی جدید ترین دنیا میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ وہ عجوبے جن کا میں تصور نہیں کرسکتی تھی، ان کے اشتہارات لگے تھے، اور وہ گول گول لوہے کی بنیادوں پر لگے دکھائی دے رہے تھے۔

''دیکھو! ایسی روشنیاں جنہیں، گیس یا آگ کے استعمال کے بغیر ہی، جلایا اور بجھایا جاسکتا تھا! وہ اس 'روشنی کے محل' (پیرس) میں ہی دکھائی دیں۔

''اپنے پاؤں کو جنبش دیئے بغیر ہی سیڑھیاں چڑھ جائیں! یہ کام سیڑھیوں کے قدم آپ کے لئے کریں گے''۔ یہ کسی بھی عمارت کے نیچے کی طرف ہوتیں ہیں جو ایک سرنگ کی طرح دکھائی دیتی ہیں، ان کے دونوں طرف ہاتھ سے گرفت کرنے کی ریلنگ ہوتی ہے۔

''آرٹ نووو: فیشن کا ایک نیا انداز''۔

اس پر کوئی خاص علامتی چیز موجود نہیں، صرف ایک تصویر جس میں ایک گلدان اور دو

(1) پیرس شہر کے بیچ سے گزرنے والا دریا، لمبائی 777 کلومیٹر۔

عدد، چینی مٹی کی بنی بطخیں۔ اس کے نیچے ایک ڈرائنگ بنی تھی جو لوہے کے بنے عظیم الشان مینار کی طرح اور (اس کے ساتھ) لکھا تھا گراں پیلیے۔

سینوراما، میریئوراما، پینوراما...... تمام کے تمام چلتے پھرتے عکس جو آنے والوں کو ایسی جگہوں پر لے جائیں جہاں انہوں نے پہلے کبھی جانے کا سوچا بھی نہ ہو۔ میں جتنا دیکھتی گئی اتنا ہی محو حیرت ہوتی رہی۔ اور مجھے اتنا ہی تاسف ہوتا رہا؛ کہ مجھے اپنی ٹانگوں کی گنجائش سے بڑھ کر قدم اٹھانا چاہیے تھا۔

شہر لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا، جو دریا کے دونوں کناروں پر یہاں سے وہاں رواں دواں دکھائی دے رہے تھے، عورتیں ایسے لباس پہنے ہوئے تھیں کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھے تھے، اور مرد اپنے اپنے ضروری کام نمٹاتے ہوئے، لیکن جب کبھی بھی میں نے مڑ کر دیکھا تو یہ نوٹ کیا کہ ان کی نگاہیں میرا پیچھا کرتیں۔

اگرچہ ہمارے سکولوں میں فرانسیسی پڑھائی جاتی تھی، تاہم میں خود کو بہت غیر محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ ایک لغت اپنے ہاتھ میں لئے جب میں ایک جوان عورت کے قریب گئی، جو تقریباً میری ہم عمر تھی، اور اس سے، بڑی مشکل سے، پوچھا کہ وہ ہوٹل کہاں ہوگا جو قونصل نے میرے لئے ریزرو کروایا تھا۔ اس عورت نے میرے سامان پر ایک نظر دوڑائی، کپڑوں کو غور سے دیکھا، اور، اگرچہ میں نے وہ بہترین لباس پہنا ہوا تھا جو میں جاوا سے اپنے لئے لے کر آئی تھی، وہ مجھے بغیر جواب دیئے آگے کو چلتی بنی۔ بظاہر محسوس ہو رہا تھا کہ غیر ملکیوں کی آمد کو پسند نہیں کیا جاتا، یا پیرس شہر کے باسی یہ سمجھتے تھے کہ وہ دنیا میں موجود تمام افراد سے برتر ہیں۔

میں نے یہ کوشش دو یا تین مرتبہ کی لیکن ایسے ہی روّیے کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ میں تھک کر جارڈن دی ٹولری (پارک) کے ایک بنچ پر بیٹھ گئی۔ یہاں آ کر بیٹھنا، بچپن سے میرا خواب تھا؛ اس خواب کی تعبیر میرے لئے کارنامے سے کم نہیں تھی۔

کیا مجھے واپس چلے جانا چاہیے؟ میں نے کچھ دیر خود سے بحث کی، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہاں سونے کے لئے جگہ تلاش کرنا کتنا مشکل ہے۔ پھر قسمت نے کام دکھایا: بہت تیز ہوا چل پڑی، اور ایک ہیٹ میری ٹانگوں پر آن گرا۔

میں نے اسے بڑی احتیاط سے اٹھایا اور اسے اس شخص کو لوٹا دیا جو مجھے ملنے کے لئے دوڑا آ رہا تھا۔

''جی! آپ کے پاس میرا ہیٹ ہے''۔ وہ پکارا۔

''بالکل، آپ کا ہیٹ میری ٹانگوں پر آ گرا ہے''، میں نے جواباً کہا۔

''مجھے معلوم ہے کیوں''، اس نے کہا، مجھے ورغلانے کی کوشش کو چھپائے بغیر۔ میرے ملک کے کالونیت[1] پسند لوگوں کے برعکس، فرانسیسی لوگوں کی شہرت مکمل آزاد پسندی کی ہے۔

وہ ہیٹ لینے پہنچ گیا، لیکن میں نے وہ ہیٹ اپنی پشت کی طرف رکھ دیا اور اپنا دوسرا ہاتھ بڑھا دیا جہاں ہوٹل کا پتہ لکھا تھا، یہ پڑھنے کے بعد اس نے پوچھا کہ یہ کیا تھا۔

''میری ایک سہیلی یہاں رہتی ہے اور میں اس کے ساتھ دو دن بسر کرنے آئی ہوں''۔ میں یہ نہیں کہہ سکی کہ میں اس کے ساتھ ڈنر کرنے آئی ہوں، کیونکہ اس شخص نے میرے ساتھ میرا اسامان بھی دیکھ ہی لیا تھا۔

اس نے کچھ نہیں کہا۔ میں سوچ رہی تھی کہ یہ جگہ کم اہمیت کی حامل ہو گی اور یہ تنقید کئے جانے کے قابل بھی نہیں ہو گی لیکن اس شخص کا جواب ایک حیرت سے کم نہیں تھا:

''ریودی ریوونی محض اس بنچ کے پیچھے ہے جس پر آپ بیٹھی ہیں۔ میں آپ کا سوٹ کیس اٹھا کر لے جا سکتا ہوں، اور راستے میں کئی بارز بھی ہیں۔ کیا آپ میرے ساتھ پیگ پینا پسند کریں گی، مادام......

(1) جان کالون (1509-1564ء) کے پیروکار، پروٹسٹنٹ کی ایک شاخ

''مادام موزیل ماتا ہری''۔

میرے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ اس شہر میں میرا پہلا دوست بن رہا تھا۔ ہم ہوٹل کی طرف چلنا شروع ہو گئے، راستے میں ہم ایک ریستوران میں رُکے جہاں ویٹریس لمبے لمبے ایپرنز زیب تن کئے ہوئے تھیں کہ جیسے وہ ابھی ابھی کسی باقاعدہ گالا سے ہو کر آئی ہوں۔ وہ کسی بھی شخص کو دیکھ کر نہیں مسکرائیں ماسوائے اس شخص کے جو میرے ساتھ تھا۔ میں اب اس کا نام بھی بھول چکی ہوں۔ ریستوران کے کونے میں لگی ایک خالی میز ہمیں مل گئی۔

اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں کہاں سے آئی ہوں۔ ''شرق الھند سے''، میں نے جواب دیا۔ ''ہالینڈ کی سلطنت کا ایک حصہ، جہاں میں پیدا ہوئی اور پرورش پائی''۔ میں نے، لوہے کے بنے، اس مینار پر تبصرہ کیا، کہ شاید اس جیسا مینار دنیا میں کہیں نہیں، وہ ناگہانی طور پر غصے میں آ گیا۔

''یہ مینار اب سے چار سال بعد گرا دیا جائے گا۔ ''عالمی میلے'' والی جگہ نے ہمارے سرکاری خزانے کو حالیہ وقوع پذیر ہونے والی دو جنگوں میں جھونکا ہے۔ اب وہ لوگ ہمیں سوچنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ اب سے آگے، یورپ کے تمام ممالک کا ایک ایسا اتحاد ہونا چاہیے کہ ہم ہمیشہ امن سے رہ سکیں۔ کیا آپ اس بات پر یقین کر سکتی ہیں؟''

چونکہ، اس سلسلے میں، میری کوئی رائے نہیں تھی لہٰذا میں نے خاموشی کو ہی ترجیح دی۔ جیسا میں نے پہلے کہا، مرد حضرات چیزوں کی وضاحت کرنا پسند کرتے ہیں، اور ان کے ہر چیز کے بارے میں خیالات اور رائے ہوتی ہے۔

''آپ نے وہ حصہ تو دیکھا ہو گا جس کی تعمیر جرمنوں نے کی ہے۔ انہوں نے ہماری توہین کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وہ بڑی اور دیوہیکل چیز ہے، ایک عامیانہ سے ذوق پر مشتمل، جس پر بھاری بھرکم مشینری، دھات کاری، اور چھوٹے بحری جہازوں تک سے کام

لیا گیا اور اس کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اب یہ تمام تر سمندروں پر چھا جائے گا، یہ دیوہیکل مینار جو ابھرا ہوا ہے......''

وہ رُک گیا کہ جیسے وہ کسی بیہودہ چیز کا ذکر کرنا چاہ رہا تھا۔

''......بیئر سے! وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ کی شان میں تعمیر کیا گیا ہے لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ یہ تمام گورکھ دھندا صرف ایک ہی مقصد کے لئے کیا گیا: ہمیں یہ وارننگ دینے کے لئے کہ ہم محتاط رہیں۔ دس سال قبل انہوں نے ایک یہودی جاسوس پکڑا تھا جس نے گارنٹی دی تھی کہ، ایک مرتبہ پھر، جنگ ہمارے دروازوں پر دستک دے رہی ہے۔ لیکن اب یہ لوگ حلفیہ کہہ رہے ہیں کہ وہ شخص (جاسوس) بے گناہ تھا، اور ایسا اس متنازعہ لکھاری زولا[1] کی وجہ سے تھا۔ وہ ہمارے معاشرے کو تقسیم کرنے کے درپے تھا۔ اب نصف فرانس اُسے ڈیول آئی لینڈ سے آزاد کروانا چاہتے ہیں، کہ جہاں اسے ہمیشہ رہنا چاہیے''۔

اس نے دو پگ کا مزید آرڈر دیا، بڑی عجلت میں اپنا جام چڑھایا اور پھر کہنے لگا کہ وہ بہت جلدی میں ہے، لیکن اگر آپ اس شہر میں، دیر تک قیام کریں تو آپ اپنے ملک کا پویلیئن دیکھنے ضرور جائیں۔

میرا ملک؟ میں نے یہاں پون چکیاں یا لکڑی کے بنے جوتے تو نہیں دیکھے۔

''دراصل انہوں نے اسے غلط نام دے دیا: یہ ''ہالینڈ'' کے شرق[2] الھند'' کا پویلیئن ہے۔ میرے پاس وہاں جانے کا وقت نہیں تھا___ مجھے یقین ہے کہ اس پویلیئن کا بھی وہی مقصد ہے جو دیگر مہنگی ترین تنصیبات کا ہے۔ لیکن میں نے یہ سنا ہے کہ یہ دلچسپی سے بھرپور ہے''۔

(1) ایمیل زولا (1840-1902ء) فرانسیسی ناول نگار، ڈرامہ نگار اور صحافی

(2) مراد انڈونیشیا ہے۔

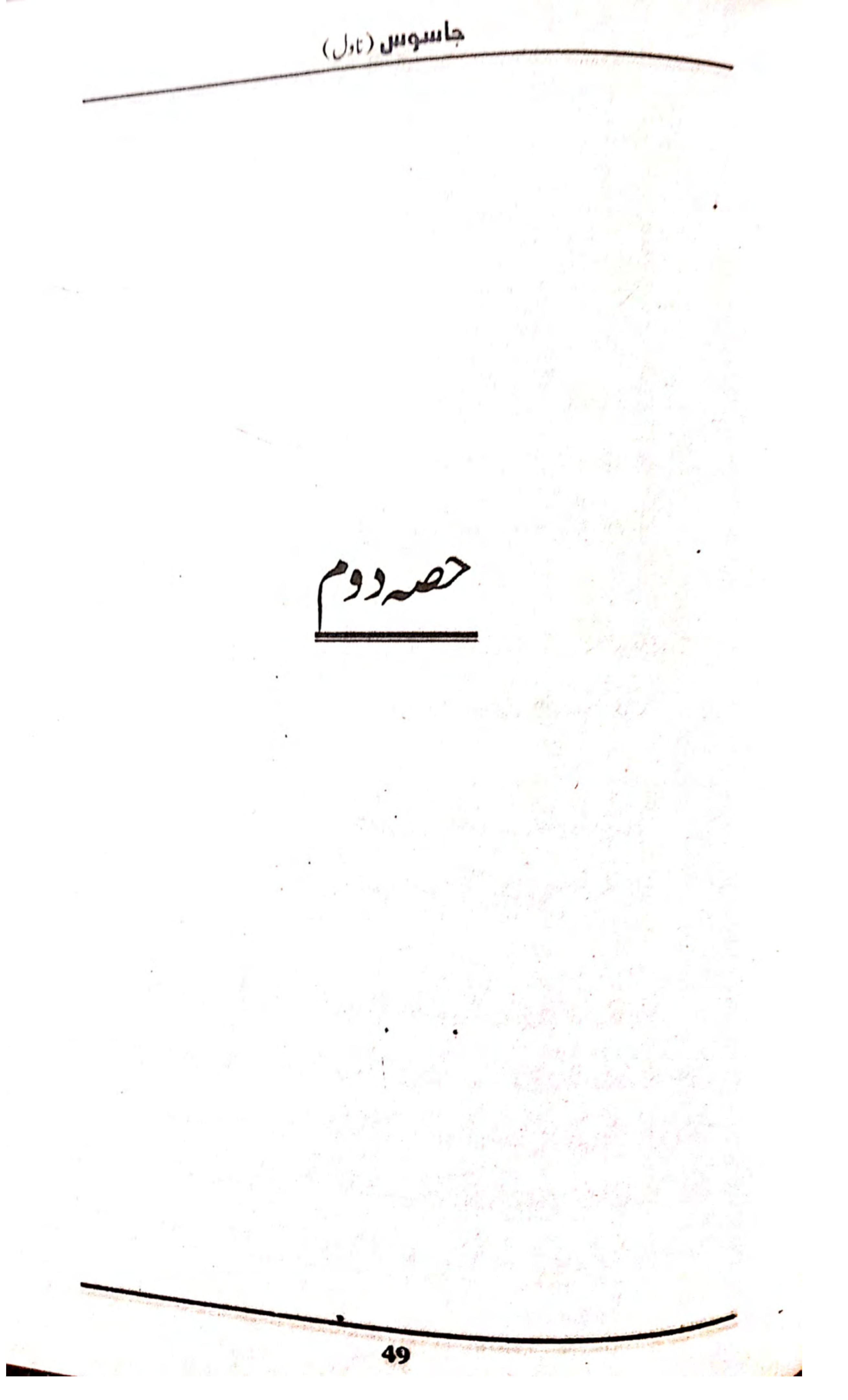
وہ کھڑا ہوا۔ ایک کالنگ (وزٹنگ) کارڈ نکالا، اپنی جیب سے سونے کا بنا قلم نکالا اور اپنے نام کے دوسرے حصّے کو پین سے کراس کیا، یہ ایک علامت ہوتی ہے کہ ایک نہ ایک دن ہم قریب آ جائیں گے۔

وہ چلا گیا اور جاتے جاتے میرے ہاتھ کا بوسہ لیا۔ میں نے اس کارڈ پر نگاہ کی۔ روایات کے مطابق اس پر پتہ درج نہیں تھا۔ مجھے فضول چیزیں اکٹھی نہیں کرنی تھیں، جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوا، میں نے کارڈ کو توڑ مروڑ کر پھینک دیا۔

دو منٹ بعد ہی، میں وہ کارڈ اٹھانے کی غرض سے گئی: کیونکہ یہی تو وہ شخص تھا جس کے نام قونصل نے خط لکھا تھا!

☆......☆





حصہ دوم



دُبلی اور لانبی، کسی جنگلی جانور کی سی لچک سے آراستہ،
ماتا ہری اور اس کے سیاہ لہراتے بال،
ایک جادوئی دنیا میں لے جاتے ہیں ہمیں۔

صنفِ نازک میں سب سے نرم خُو،
اپنے جسم سے کلاسیکی المیہ لکھتی ہوئی۔

یک ہزار خم وا نگ، بڑی صناعی کے ساتھ
ہزار منفرد سُروں سے سنگم کرتے ہیں۔

اخباری تراشوں میں لکھی یہ سطور کسی چائے کے کپ کی طرح دکھائی دیتی ہیں، یہ ایک ایسی کہانی سناتی ہیں جواب مجھے یاد بھی نہیں۔ جیسے ہی میں یہاں سے رہائی پاؤں گی تو میں ان تراشوں کو چمڑے میں محفوظ کر کے سنہری فریموں میں سجاؤں گی۔ یہ چیزیں میری بیٹی کے لئے اثاثہ ثابت ہوں گی کیونکہ میری تمام رقم ضبط کر لی گئی ہے۔ جب ہم دونوں، ایک مرتبہ پھر مل جائیں گے تو میں اسے ''فولیس برجر''(1) کے بارے میں بتاؤں گی، جو ہر

(1) تھیٹر کا نام۔

اس عورت کا خواب ہوتا ہے جو کسی محفل میں رقص کرنے کی خواہش اپنے دل میں رکھتی ہے۔ میں اسے بتاؤں گی کہ ''میڈرڈ ڈی لوس آسٹریاس'' کتنا خوبصورت ہے، اسی طرح برلن کی گلیاں اور مونتے کارلو کے محلّات۔ ہم ''ٹروکاڈرو'' اور ''سرل رویال'' کا دورہ بھی کریں گے اور میگزمز، رامپلمیئر زبھی جائیں گے، اس کے ساتھ ساتھ دیگر ریستورانوں میں بھی جائیں گے جو اپنی مشہورترین گاہک کے واپس آنے کی خوشی منائیں گے۔

ہم اکٹھے اٹلی جائیں گے اور جیا گیہلیو کو دیکھ کر خوش ہوں گے جو دیوالیے کے قریب ہے۔ میں اسے میلان میں لاسکالا بھی دکھاؤں گی اور بڑے فخریہ انداز میں کہوں گی: ''یہ وہ جگہ ہے جہاں، مارسینو کے گانے ''باکس اینڈ گومبرینس'' پر میں نے رقص پیش کیا تھا''۔

مجھے یقین ہے کہ آج کل میں جن حالات سے گزر رہی ہوں، یہ حالات میری شہرت میں اضافہ کریں گے؛ وہ (عورتیں) جو چنڈال نہیں نظر آنا چاہتیں، ایک ''جاسوس'' جس کے پاس بہت سارے راز ہوتے ہیں؟ ہر شخص خطرے سے کھیلتا ہے، اس وقت تک جب تک خطرے کا حقیقتاً وجود نہ ہو۔

شاید وہ مجھ سے پوچھے گی:

''اور آپ میری ماں، مارگریتھا میکلوڈ سے متعلق کیا کہیں گی؟

اور میں جواب دوں گی:

''میں اس عورت کو نہیں جانتی۔ تمام عمر میں نے ماتاہری نامی عورت کی حیثیت سے سوچا اور عمل کیا، ایک ایسی عورت جو مردوں کے لئے لطف وانبساط کا ذریعہ تھی اور رہے گی جبکہ وہ عورت، دیگر، عورتوں کے لئے رشک وحسد کا باعث تھی اور رہے گی۔ جب سے میں نے ہالینڈ چھوڑا، میں فاصلوں اور خطرات کے خوف سے مبّرا ہوگئی ـــ ان میں سے، کسی سے بھی اب میں خوفزدہ نہیں۔ میں پیرس شہر میں ناکافی رقم اور بغیر مناسب کپڑوں کے پہنچی تھی، اور دیکھو میں کیسے اتنے اوپر پہنچ گئی۔ میں تمہارے بارے میں بھی ایسی ہی امید رکھتی ہوں''۔

پھر میں اپنے رقص سے متعلق گفتگو کروں گی۔۔۔ شکر کے ساتھ، میرے پاس بے شمار تصادیر ہیں جوان لمحات اور لباسوں کی بھرپور عکاسی کرتی ہیں۔ یہ ان تنقید نگاروں کے برعکس ہے جنہوں نے مجھے کبھی بھی نہیں سمجھا، جب میں سٹیج پر ہوتی ہوں تو میں یہ بھول جاتی ہوں کہ میں کس قسم کی عورت تھی یا ہوں اور میں اپنا سب کچھ خداوند کے حضور پیش کر دیتی ہوں۔ یہی تو وجہ ہے کہ میں بڑی آسانی سے بے لباس ہو جاتی ہوں۔ اس خاص وقت میں، میں کچھ بھی نہیں ہوتی، حتیٰ کہ میرا جسم بھی نہیں ہوتا۔ میں تو صرف حرکت ہوتی ہوں، ایسی حرکت جو کائنات سے ہم آہنگ ہو رہی ہو۔

میں ہمیشہ مونسیور گیومے کی شکر گزار رہوں گی۔ اس نے سب سے پہلے مجھے پرفارم کرنے کا موقع میسر کیا، یہ پروگرام اس کے نجی میوزیم میں تھا، جبکہ اس (پرفارمنس) کے لئے انتہائی قیمتی لباس کا بندوبست کیا گیا جو اس نے ایشیاء سے منگوایا تھا اور اس کی ذاتی جمع آوری میں سے تھا، اگرچہ اس کے لئے مجھے اس کے ساتھ آدھے گھنٹے کا خصوصی تعلق نبھانا پڑا جو میرے لئے زیادہ خوشگوار بھی نہیں تھا۔ میں نے تین سو افراد کے لئے رقص کیا، جن میں صحافی، مشہور شخصیات اور دو سفیر بھی شامل تھے۔ ایک جاپان کا سفیر اور دوسرا جرمنی کا۔ دو دن بعد تمام اخبارات میں میرا ذکر تھا کہ یہ کون پُراسرار اور غیر معمولی عورت ہے جو ہالینڈ کی ریاست کے ایک کونے میں پیدا ہوئی اور اپنے ساتھ، دور دراز کے علاقوں سے تعلق رکھنے والے باسیوں کی ''مذہبیت'' اور ''عدم عصبیت'' لے کر آئی۔

میوزیم کا سٹیج شیوا کے مجسمے سے سجایا گیا۔۔۔ (شیوا) جو ہندو دھرم میں تخلیق اور تباہی کا دیوتا تسلیم کیا جاتا ہے۔ انتہائی خوشبودار تیلوں کے بیچ موم بتیاں جلائی گئیں، اس کے ساتھ جو موسیقی کی دھنیں بجائی گئیں انہوں نے ہر شخص کو وجد میں مبتلا کر دیا، سوائے میرے۔ جو لباس مجھے دیا گیا تھا اس کا بغور جائزہ لینے کے بعد، میں یہ اچھی طرح جان گئی کہ مجھے کیا کرنا تھا۔ یہ ''اب یا کبھی نہیں'' والا معاملہ تھا۔ میری اب تک کی قابل رحم زندگی کے لئے صرف

ایک لمحہ، ایک ایسی زندگی جہاں میں جنسی تسکین کے بدلے لوگوں سے تحائف اور سفارشیں تلاش کیا کرتی تھی۔ اس وقت تک میں اس کام کی عادی ہو چکی تھی، لیکن کسی کام کا عادی ہو جانا ایک بات ہے، جبکہ دوسری بات اس سے تسکین حاصل کرنا ہے۔ میرے پاس ناکافی پیسہ تھا۔ میں مزید چاہتی تھی!

جب میں نے رقص شروع کیا تو مجھے معلوم تھا کہ لوگوں کا تقاضا اور ضرورت تو یہ تھی کہ ایسا رقص کیا جائے جو رقاصہ نائٹ کلب میں کرتی ہے، رقص کو کسی قسم کے معانی دیئے بغیر۔ لیکن میں تو ایک احترام کی جگہ کھڑی تھی، ایسے حاضرین کے سامنے جو نت نئی چیزیں دیکھنے کا متمنی تو ہے لیکن ان کے اندر وہ ہمت نہیں کہ وہ ان چیزوں کی تلاش میں ایسے مقامات پر جائیں جہاں انہیں یہ چیزیں دیکھنے کو مل جائیں۔

(رقص کرنے کے لئے) میرا لباس نقابوں یا پرتوں پر مشتمل تھا جو (تہہ در تہہ) ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی تھیں۔ میں نے (رقص کرتے ہوئے) جب، اپنے لباس کی پہلی پرت اتاری تو کسی نے بھی خاص توجہ نہیں دی۔ لیکن جب میں نے دوسری اور پھر تیسری پرت اتاری تو حاضرین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ پانچویں پرت اتارتے ہی تمام لوگوں کی توجہ اس بات پر مرکوز ہو گئی کہ میں کیا کر رہی ہوں، وہ لوگ اب رقص کی طرف کم متوجہ تھے، اور ان کی حیرت اب یہ انتظار کر رہی تھی کہ میں کس حد تک جاؤں گی۔ حتیٰ کہ خواتین بھی، جن پر میری نگاہ گاہے بگاہے پڑتی رہی، نہ تو گنگ دکھائی دے رہی تھیں اور نہ ہی ناراض؛ بلکہ میرا رقص انہیں اتنا ہی محظوظ کر رہا تھا جتنا کہ مردوں کو۔ میں جانتی تھی کہ اگر میں اپنے ملک (ہالینڈ) میں ہوتی تو مجھے فوراً جیل بھیج دیا جاتا، لیکن فرانس ایک ایسا ملک ہے جو مساوات اور آزادی کا علمبردار ہے۔

جب میں (اپنے لباس کے) چھٹے پرت پر پہنچی تو میں شیوا کے مجسمے کے قریب پہنچ گئی، میں نے اپنے اوپر، انتہا کی، ہیجانی کیفیت طاری کی، خود کو زمین پر گرا لیا، ساتویں اور آخری

پرت بھی اتار دی۔

چند ساعتوں کے لئے مجھے حاضرین میں سے کسی بھی قسم کی آواز سنائی نہیں دی۔ کیونکہ جس جگہ میں لیٹی تھی وہاں سے میں کسی کو بھی نہیں دیکھ سکتی تھی، تمام لوگ یا تو مخبوط ہو گئے تھے یا خوفزدہ۔ پھر ایک نسوانی آواز میں کلمہ تحسین بلند ہوا، "واہ"!، اور پھر پورے ہال نے کھڑے ہو کر مجھے داد دی۔ میں کھڑی ہوئی، ایک بازو سے اپنے پستان چھپاتی ہوئی اور دوسرے ہاتھ سے اپنی شرم گاہ۔ شکریہ ادا کرنے کے لئے، میں نے، حاضرین کے سامنے سر جھکایا اور سٹیج پر اس طرف لپکی جہاں، مصلحتاً، میں نے اپنا ریشمی گاؤن چھوڑ دیا تھا۔ میں واپس آئی، ایک نہ رُکنے والی داد تحسین کا شکریہ ادا کیا اور اس فیصلے پر پہنچی کہ اب یہاں سے چلے جانا ہی بہتر ہے۔ ایسا کرنا بھی تجسس کا ایک رمز تھا۔

تاہم، میں نے نوٹ کیا کہ حاضرین میں سے ایک شخصیت ایسی تھی جس نے مجھے داد نہیں دی، وہ صرف مسکرا دی۔ مادام گیومے۔

اگلی ہی صبح مجھے دو دعوت نامے موصول ہوئے۔ ایک مادام کریوسکی کی طرف سے، جنہوں نے کہا کہ کیا میں ایسا ہی رقص دوبارہ کر سکتی ہوں تا کہ اس پرفارمنس سے زخمی روسی فوجیوں کے لئے فلاحی فنڈ اکٹھا کیا جا سکے، اور دوسری دعوت مادام گیومے کی طرف سے تھی، جنہوں نے مجھے دریائے سین کے کنارے سیر کرنے کی دعوت دی۔

ابھی تک نیوز سٹالوں پر میری تصاویر کے پوسٹر آویزاں نہیں ہوئے تھے، اور نہ میرے نام کے سگریٹ، سگار یا نہانے کے لوشن بازار میں آئے تھے۔ میں ایک ''نا معلوم مشہور'' عورت بن گئی تھی، اور میں نے سب سے اہم قدم اٹھا لیا تھا؛ حاضرین میں موجود ہر فرد میرا شیدائی ہو کر وہاں سے نکلا تھا، اور یہ بہترین قسم کی شہرت تھی کہ میں جس کا تصور کر سکتی ہوں۔

''یہ بہت اچھی بات ہے کہ یہ لوگ لاعلم ہیں''، مادام گیومے بولیں، ''کیونکہ تم نے جو کچھ بھی سٹیج پر پیش کیا، اس میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں تھی جس کا تعلق مشرقی روایات سے ہو، جیسے ہی شام ڈھل چلی تھی، تمہیں (رقص کے) ہر قدم میں رنگ بھرنے چاہئیں تھے''۔

میں مبہوت ہو کر رہ گئی اور سوچنے لگی کہ اس خاتون کا اگلا جملہ اس انکشاف پر مبنی ہو گا کہ میں نے ان کے شوہر کے ساتھ رات گزاری ــــ ایک سادہ، صرف ایک ہی، ناخوشگوار رات۔

''تاہم اس حقیقت سے صرف وہ، انتہائی بور قسم کے، ماہرین بشریات ہی شناسا ہیں جو ہر چیز کتابوں سے سیکھتے ہیں؛ وہ کبھی بھی آپ کو راستہ نہیں دیں گے''۔

''لیکن میں......''

''ہاں، میں جانتی ہوں کہ تم جاوا گئی تھیں اور تم (وہاں کے) مقامی رسوم و رواج سے بھی واقف ہو، شاید تم کسی فوجی آفیسر کی بیوی یا محبوبہ تھیں۔ تمام جوان عورتوں کی طرح تم نے بھی خواب دیکھا کہ ایک دن تم بھی پیرس میں آ کر کچھ بڑا کر کے دکھاؤ گی؛ اسی وجہ سے تم نے (یہاں آنے کے) پہلے موقعے سے فائدہ اٹھایا اور یہاں چلی آئیں''۔

ہم، خاموشی کے ساتھ، پیدل چلتے رہ۔ میں مسلسل جھوٹ بول سکتی تھی — یہ کام میں نے ساری زندگی کیا ہے، اور میں کسی بھی چیز سے متعلق جھوٹ بول سکتی تھی، ماسوائے اس بات کے بارے میں جو مادام گیومے پہلے سے ہی جانتی تھیں۔ بہتر یہی تھا کہ انتظار کیا جاتا کہ ان کی گفتگو کیا رُخ اختیار کرتی ہے۔

''میں تمہیں ایک نصیحت کرنا چاہتی ہوں''، مادام گیومے نے کہا، جب ہم اس پل سے گزرنے لگے جو دیوہیکل، لوہے کے بنے، مینار کی طرف جاتا تھا۔

میں نے کہا کہ کیا ہم کسی جگہ بیٹھ کر گفتگو نہ کریں۔ کیونکہ میرے لئے لوگوں کے ہجوم میں سے گزرتے ہوئے، اپنی توجہ مبذول کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ وہ راضی ہوگئیں، اور ہمیں شیم ڈی مارس (پارک) میں ایک خالی بنچ مل گیا۔ کچھ لوگ جو سنجیدہ اور مغموم دکھائی دے رہے تھے وہ دھاتی گیندوں کو پھینک رہے تھے اور ایک لکڑی کے ٹکڑے کو مارنے کی کوشش کر رہے تھے، یہ منظر مجھے مضحکہ خیز لگا۔

''میرے چند دوست جنہوں نے تمہاری پرفارمنس دیکھی تھی، میں نے ان سے تمہارے بارے میں بات کی تھی، اور مجھے معلوم ہے کہ کل اخبارات تمہاری تعریفوں کے پُل باندھ دیں گے۔ تم میرے بارے میں فکر نہ کرنا، میں کسی سے بھی تمہارے 'مشرقی رقص' سے متعلق گفتگو نہیں کروں گی''۔

میں مسلسل سنتی رہی۔ میں کسی بھی چیز سے متعلق دلائل نہیں دے سکتی تھی۔

''میری نصیحت کا پہلا حصّہ ذرا سخت ہے، اور اس (حصے) کا تمہاری پرفارمنس سے

کوئی لینا دینا نہیں۔ کبھی محبت میں گرفتار نہ ہونا۔ محبت ایک زہر ہے۔ اگر تم ایک مرتبہ محبت میں گرفتار ہو گئیں تو تم اپنی زندگی پر کنٹرول کھو دو گی ۔۔۔ یعنی تمہارا دل اور دماغ کسی اور کا ہو گیا۔ تمہارا وجود خطرے میں پڑ گیا۔ تم اپنے محبوب کو قابو رکھنے کے لئے ہر کام کرو گی اور خطرے کی تمام حسیات سے عاری ہو جاؤ گی۔ محبت، جو ایک نا قابلِ تشریح اور خطرناک چیز ہے، ہر اس چیز کو بہالے جائے گی جو آپ کے پاس روئے زمین پر کہیں بھی موجود ہے، اور اس کی جگہ، آپ کو ایسا بنا دے گی جیسا آپ کا محبوب آپ کو بنانا چاہتا ہے"۔

مجھے اندریاس کی بیوی کی آنکھوں میں موجود چمک یاد آ گئی جو اس واقعہ سے ذرا پہلے میں نے دیکھی تھی جب اس نے خود کو گولی ماری تھی۔ محبت فوراً مار دیتی ہے، اور جرم کا کوئی نشان بھی نہیں چھوڑتی۔

ایک چھوٹا لڑکا ریڑھی پر سے آئس کریم خریدنے گیا۔ مادام گیومے نے اسی چیز سے اپنی نصیحت کا دوسرا حصہ شروع کیا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ زندگی اتنی پیچیدہ نہیں، لیکن زندگی بہت پیچیدہ ہے۔ جو چیز سادہ ہے وہ ہے آئس کریم، یا گڑیا مانگنا یا پیٹانک [1] نامی کھیل جیتنا، ان مردوں کی طرح جو یہاں موجود ہیں ۔۔۔ باپ، اپنی ذمے داریوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے، پسینے میں شرابور اور مسلسل تگ و دو کرتے ہوئے، جو یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ایک، احمقانہ قسم کی، دھاتی گیند ایک لکڑی کے ٹکڑے کو جا لگے۔ شہرت کی خواہش رکھنا بالکل سادہ سا کام ہے، لیکن اس شہرت کو ایک مہینے یا ایک سال تک برقرار رکھنا، خاص طور پر اگر اس شہرت کا تعلق کسی کے جسم سے ہو، تو یہ کام انتہائی مشکل ہے۔ کسی مرد کو حاصل کرنے کی خواہش اپنے دل میں رکھنا انتہائی سادہ سا کام ہے لیکن یہی کام اس وقت ناممکن اور پیچیدہ ہو جاتا ہے جب وہ مرد شادی شدہ ہو، اس کے بچے ہوں اور وہ اپنے کنبے کو کسی بھی چیز کے حصول کے لئے چھوڑ نہ سکتا ہو"۔

(1) باؤلنگ (Bowling) کی قسم کا ایک کھیل۔

وہ کافی دیر کے لئے خاموش ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے، اور میں یہ حقیقت جان گئی کہ وہ تجربے کے بل بوتے پر ہی بول رہی تھیں۔

اب میرے بولنے کی باری تھی۔ ایک ہی سانس میں، میں نے انہیں بتا دیا کہ ہاں! میں نے غلط بیانی کی تھی؛ نہ تو میں ڈچ شرق الہند میں پیدا ہوئی اور نہ ہی میری وہاں پرورش ہوئی، لیکن میں اس علاقے سے بخوبی واقف ہوں، اس عورت کی تکالیف اور درد کا کیا ذکر کرنا جو وہاں آزادی اور لطف اندوزی کی تلاش میں گئی لیکن وہاں اسے صرف تنہائی اور بوریت ہی نصیب ہوئی۔ انتہائی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے، میں نے مادام گیوے کے سامنے، اندریاس کی بیوی کی اس آخری گفتگو کو دوہرایا جو اس نے اپنے شوہر سے کی، اور اس کا مقصد مادام گیوے کو اطمینان دلانا تھا، بغیر اس بات کا انکشاف کئے کہ مجھے یہ معلوم تھا کہ مجھے نصیحتیں کرتے وقت انہوں نے تمام تر گفتگو اپنے متعلق ہی کی تھی۔

اس دنیا میں ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جو محبت نامی سنگدل دیوتا کے ہاتھوں راندۂ درگاہ کر دیئے جاتے ہیں وہ بھی سزاوار ہوتے ہیں، کیونکہ وہ ماضی کے دریچوں میں جھانکتے ہیں اور اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ انہوں نے مستقبل کے لئے اتنے منصوبے کیوں بنائے۔ لیکن اگر وہ اپنی یادوں کو کھنگالیں، تو انہیں باور ہو جائے گا کہ انہوں نے کوئی بیج بویا تھا، اسے پروان چڑھایا تھا، اس کی آبیاری کی تھی اور اسے اُگنے دیا تھا تاوقتیکہ وہ ایک تناور درخت بن جائے، ایسا درخت جسے کبھی بھی جڑ سے اکھاڑا نہ جا سکے"۔

بے اختیار ہی میرا ہاتھ میرے بیگ میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں میں بیجوں سے بھرا وہ پیکٹ رکھتی تھی جو میری والدہ نے مجھے، اپنی موت سے قبل، دیا تھا۔ میں ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رکھتی تھی۔

"جب بھی کوئی شخص، مرد یا عورت، کسی ایسے شخص کے ہاتھوں دھتکارا جاتا ہے (یا جاتی ہے) جس سے وہ محبت کرتا ہے تو اسے صرف اپنا ہی درد محسوس ہوتا ہے۔ کوئی بھی یہ

جاننے کی کوشش نہیں کرتا کہ دوسرا شخص کس حال میں ہے۔ کیا وہ بھی کسی کرب سے گزر رہا ہے، اپنے دل کو ایک طرف کر کے جی رہا ہے، اپنے خاندان سے وابستہ ہے، صرف اور صرف معاشرے کے لئے؟ ہر رات وہ اپنے بستر پر لیٹتے ہوں گے، نیند سے عاری، متذبذب اور گم سُم، اس بات پر غور کرتے ہوئے کہ کہیں وہ غلط فیصلہ نہ کر بیٹھیں۔ کبھی کبھار وہ یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ اپنے اپنے خاندانوں اور بچوں کی نگہداشت کرنا ان کی اولین ذمہ داری ہے، لیکن وقت ان کا ساتھ نہیں دے رہا ہوتا؛ جدائی کا لمحہ جتنا جتنا دور ہوتا چلا جاتا ہے، ان کی تلخ یادیں اتنی ہی پاکیزہ ہوتی چلی جاتی ہیں، اور اس جنت گم گشتہ کے حصول کی تمنا میں تبدیل ہو جاتی ہیں"۔

"ایسے وقت میں دوسرا شخص بھی اپنی مدد نہیں کر سکتا۔ وہ دور چلا جاتا ہے، وہ ہر ہفتے کے آخر میں پریشان دکھائی دیتا ہے، ہر ہفتے اور اتوار کو وہ شیم ڈی مارس (پارک) میں آ کر اپنے دوستوں کے ساتھ باؤلنگ (کا کھیل) کھیلتا ہے۔ اس کا بیٹا آئس کریم سے لطف اندوز ہوتا ہے اور اس کی بیوی اپنے سامنے زرق برق لباسوں کی پریڈ دیکھتی ہے، اور اس کی آنکھوں سے اداسی جھلک رہی ہوتی ہے۔ ایسے میں کوئی تیز ہوا بھی نہیں چلتی جو اس کی کشتی کا رُخ تبدیل کر دے؛ اس کی کشتی کنارے کنارے، ساکن پانیوں میں ہی چلتی چلی جاتی ہے۔ ہر شخص کرب سے گزرتا ہے؛ وہ جو چھوڑ جاتے ہیں، اور وہ بھی جو کھڑے رہتے ہیں، ان کا کنبہ و خاندان، ان کے بچے۔ لیکن کوئی بھی، کچھ بھی نہیں کر سکتا"۔

مادام گیوے نے اپنی نگاہیں پارک میں اُگنے والی نئی گھاس پر مرکوز کر دیں، جو کہ پارک کے بالکل وسط میں تھی۔ انہوں نے ایسا موڈ اختیار کر لیا کہ جیسے وہ میرے الفاظ کو برداشت کر رہی ہیں، لیکن مجھے معلوم تھا کہ میں نے ایک پرانا زخم کھول دیا ہے جس میں سے دوبارہ خون رسنا شروع ہو گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ کھڑی ہو گئیں اور کہا کہ ہمیں اب واپس جانا چاہیے — کہ ان کے ملازمین کھانا تیار کر رہے ہوں گے۔ آج ایک انتہائی مشہور اور

اہمیت کے حامل مصور نے، اپنے چند دوستوں کے ساتھ، اس کے شوہر کے میوزیم میں آنا ہے، اور آج کی شام کے اختتام پر اس مصور کی گیلری بھی جانا ہے، جہاں ان کا شوہر انہیں کچھ پینٹنگز دکھانا چاہتا ہے۔

''یقیناً وہ مصور مجھے، اپنی بنائی ہوئی کچھ پینٹنگز بیچنا چاہتا ہے جبکہ میں کچھ نئے اور مختلف لوگوں سے ملاقات چاہتی ہوں، تاکہ میں ایک ایسی دنیا سے باہر نکل پاؤں جس نے مجھے اب بور کرنا شروع کر دیا ہے''۔

ہم بڑے آہستہ آہستہ چلنا شروع ہو گئے۔ ٹروکادرو کے قریب پُل عبور کرتے ہوئے، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں بھی ان کے ساتھ جانا پسند کروں گی۔ میں نے حامی تو بھر لی، لیکن ساتھ ہی یہ کہا کہ میں اپنا شام (کو پہننے) والا گاؤن ہوٹل میں ہی چھوڑ آئی ہوں اور شاید اس موقعے کے لئے مناسب لباس نہیں پہنا ہوا۔

درحقیقت میرے پاس شام کا گاؤن تھا ہی نہیں جو ان لباسوں کے وقار اور خوبصورتی کے قریب بھی ہوتا، جو عورتیں زیب تن کر کے پارک میں ٹہل رہی تھیں، اور لفظ ''ہوٹل'' تو ''ہاسٹل'' کا نعم البدل تھا کہ جہاں میں دو مہینے سے رہ رہی تھی، ایک ایسی جگہ جو مجھے اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ میں اپنے ''مہمانوں'' کو اپنی آرام گاہ تک لے جا سکوں۔ عورتیں، ایک لفظ کا تبادلہ کئے بغیر بھی، ایک دوسرے کو بہتر طریقے سے سمجھ سکتی ہیں۔

''اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں ایک رات کے لئے اپنا ایک لباس دے سکتی ہوں، میرے پاس تو اتنے لباس ہیں کہ میں ان تمام کو شاذ ہی پہن سکوں''۔

میں نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ ان کی پیش کش قبول کی اور ہم ان کے گھر کی طرف چل دیئے۔ جب ہمیں یہ معلوم نہ ہو، کہ زندگی ہمیں کہاں لے جا رہی ہے، تو ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ ہم گم نہیں ہوئے۔

''یہ پابلو پکاسو[1] ہیں، وہ مصور جن کا میں تمہیں بتا رہی تھی''۔

جب سے ہمارا تعارف ہوا، پکاسو تمام مہمانوں کو بھول گیا اور اس نے وہ شام میرے ساتھ گفتگو کرنے کی کوشش میں ہی گزاری۔ اس نے میرے حسن کی بے پناہ تعریف کی، اپنی پینٹنگ کے لئے مجھے پوز کرنے کا کہا، اور مجھے دعوت دی کہ میں اس کے ساتھ ملاگا[2] چلوں، تا کہ ایک ہفتے کے لئے پیرس کی دیوانگی سے دور رہا جا سکے۔ اس کا صرف اور صرف ایک مقصد تھا، اور یہ بات اسے کہنے کی ضرورت بھی نہیں تھی: مجھے اپنے ساتھ سلانا۔

(حیرت انگیز طور پر) میں اس بھونڈے، پھٹی پھٹی آنکھوں والے، غیر مہذب شخص سے اُکتا گئی جو خود کو عظیم لوگوں میں سے عظیم تر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ (اس کی نسبت) اس کے دوست زیادہ دلچسپی کے حامل تھے جن میں ایک اطالوی مصور امیڈ و موڈیگلیانی تھا، جو زیادہ مہذب اور وضع دار تھا اور جس نے، کسی بھی سطح پر، اپنی گفتگو ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی۔ جیسے ہی پابلو اپنے طویل اور نا قابل فہم لیکچرز ختم کرتا، جو مصوری میں ہونے والے انقلابات سے متعلق تھے، میں فوراً ہی موڈیگلیانی کی طرف متوجہ ہو جاتی۔ اس بات سے پکاسو نالاں ہوتا دکھائی دیتا۔

''آپ کیا کرتی ہیں؟'' امیڈو نے پوچھا۔

(1) پابلو پکاسو (1881-1973ء)

(2) ہسپانیہ کا ایک شہر۔

میں نے بڑی تفصیل سے بتایا کہ میں جاوا قبائل کے مقدس رقص کے لئے وقف ہوں۔ اگرچہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ وہ اس تفصیل کو، بہتر طریقے سے، سمجھ نہیں سکا تاہم اس نے بڑی شائستگی سے، رقص میں آنکھوں کی اہمیت سے متعلق گفتگو کرنا شروع کر دی۔ وہ آنکھوں سے بہت متاثر تھا، اور جب کبھی وہ تھیٹر جایا کرتا تو جسموں کی حرکات پر کوئی خاص توجہ نہ دیتا بلکہ اس کے لئے توجہ طلب بات یہ ہوتی کہ آنکھیں کیا کہنے کی کوشش کر رہی ہیں۔

"میرا خیال ہے ایسا جاوا کے مقدس و مذہبی رقص میں ہی ہوتا ہوگا— میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ مجھے تو صرف یہ معلوم ہے کہ مشرق میں رقاص اپنے جسموں کو بالکل ساکن رکھتے ہیں اور جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، ارتکاز کی بھرپور قوت کے ساتھ، اپنی آنکھوں سے کہتے ہیں"۔

مجھے اس بات کا جواب معلوم نہیں تھا، میں نے اپنا سر ہلا دیا، ایک رمزیہ حرکت جس کا مطلب ہاں بھی ہوسکتا ہے اور نہیں بھی، اس بات کا انحصار سمجھنے والے پر ہے کہ وہ اسے کیسے لیتا ہے۔ پکاسو تمام وقت گفتگو کا تسلسل اپنے خیالات کے اظہار سے توڑتا رہا، مگر امیڈو، جو باوقار اور مہذب تھا، وہ جانتا تھا کہ اپنی باری کا انتظار کیسے کیا جاتا ہے اور موضوع پر واپس کیسے آیا جاتا ہے۔

"کیا میں آپ کو کوئی مشورہ دے سکتا ہوں؟" اس نے پوچھا، جب کھانا اختتام کے قریب تھا اور ہر شخص پکاسو کے سٹوڈیو جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ بات جاننے کی کوشش کریں کہ آپ کو اپنی توقعات سے آگے جانے کے لئے کس کس چیز کی اور کن کن کاوشوں کی ضرورت ہے۔ اپنے رقص کو بہتر بنانے کی کوشش کریں، بہت ریاضت کریں، اور کسی بڑی منزل کا تعین کریں، ایک ایسی منزل جس کا حصول مشکل

ہو، کیونکہ یہی تو ایک فنکار کا مشن ہوتا ہے: اپنی حدود سے آگے چلے جانا۔ ایک ایسا فنکار جو بہت کم کی خواہش رکھتا ہے اور اسے حاصل کر لیتا ہے، وہ اپنی زندگی میں ناکام ہے"۔

ہسپانوی نژاد مصور کا سٹوڈیو زیادہ دور نہیں تھا لہٰذا ہم تمام لوگ پیدل ہی چلے گئے۔ کچھ چیزوں نے تو مجھے حیران کر دیا اور کچھ چیزوں سے میں متنفر ہو گئی۔ کیا یہی انسان کی حالت نہیں؟ ایک انتہا سے دوسری انتہا تک چلے جانا، درمیان میں رُکے بغیر ہی؟ پکاسو کو چڑانے کے لئے، میں ایک پینٹنگ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور پوچھا کہ اس نے چیزوں کو پیچیدہ بنانے پر ہی زور کیوں دیا؟

"یہ سیکھنے کے لئے کہ مجھے نشاۃ ثانیہ کے ایک ماہر کی حیثیت سے مصوری کیسے کرنی ہے چار سال لگ گئے، اور ایک بچے کی سی ڈرائنگ سیکھنے میں ساری زندگی۔ یہی تو اصل راز ہے: بچوں کی ڈرائنگ۔ جو کچھ آپ دیکھ رہی ہیں وہ بچگانہ تو محسوس ہو سکتی ہے لیکن یہ اہم ترین مصوری کی نمائندگی کرتی ہے"۔

اس کا جواب تو شاندار تھا لیکن اب میں وقت سے پیچھے جا کر، اس کے بارے میں قائم ہو جانے والی، اپنی، رائے تبدیل نہیں کر سکتی تھی۔ اس وقت تک موڈیگلیانی جا چکا تھا، مادام گیومے کے چہرے سے تھکن کے آثار نمایاں تھے، باوجود اس کے کہ وہ اطمینان برقرار رکھے ہوئے تھیں، اور پکاسو اپنی گرل فرینڈ فرنانڈ کی حسد سے تنگ آیا ہوا تھا۔

میں نے کہا کہ ہم سب کو دیر ہو رہی ہے، ہر شخص نے اپنی اپنی راہ لی۔ میں پھر کبھی پابلو یا امیڈو سے ملنے نہیں گئی۔ میں نے سنا کہ فرنانڈ نے پابلو کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن مجھے اصل وجہ نہیں بتائی گئی تھی۔ میں نے چند سال بعد اسے ایک مرتبہ دیکھا تھا جب وہ نوادرات کی ایک دکان میں کلرک کی حیثیت سے کام کر رہی تھی۔ اس نے مجھے نہیں پہچانا اور میں نے بھی یہ ظاہر کیا کہ میں اسے نہیں پہچانی، اور پھر وہ بھی میری زندگی سے غائب ہو گئی۔

اس کے بعد جو سال آئے، وہ زیادہ تو نہیں، لیکن اب جب میں پیچھے کی طرف دیکھتی ہوں، یہ سال مجھے ختم نہ ہونے والے نظر آتے ہیں — میں نے صرف سورج کی روشنی دیکھی اور طوفانوں کو بھول گئی۔ میں نے خود کو گلاب کے پھولوں کی خوبصورتی میں تو محو رکھا لیکن کانٹوں کی طرف توجہ نہیں دی۔ وہ وکیل جس نے عدالت میں، بڑی بے دلی سے، میرا دفاع کیا وہ بھی میرے چاہنے والوں میں سے ایک تھا۔ لہٰذا مسٹر کلو نے اگر معاملات ایسا رُخ اختیار کر گئے جیسا کہ تم نے سوچ رکھا ہے اور میرا انجام فائرنگ سکواڈ کے سامنے ہی ہوا تو تم میری نوٹ بک سے یہ صفحہ پھاڑ سکتے ہو اور اسے پھینک سکتے ہو۔ بدقسمتی سے میری نظر میں کوئی دوسرا ایسا شخص نہیں کہ جس پر میں بھروسہ کرسکوں۔ ہم تمام لوگ یہ جانتے ہیں کہ مجھے اس لئے نہیں مارا جائے گا کہ مجھ پر جاسوسی کا احمقانہ قسم کا الزام ہے بلکہ اس لئے کہ میں نے وہ بننے کی کوشش کی کہ جس کا میں نے خواب دیکھا۔ اور ہمیشہ سے، خواب دیکھنے کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

جامہ کندی (1) رقص کا رواج تھا — اور اسے قانونی حیثیت بھی حاصل تھی۔ یہ سلسلہ گزشتہ صدی کے آخر تک جاری رہا، لیکن اسے گوشت پوست کا دکھاوا ہی شمار کیا جاتا تھا۔ میں نے اس مضحکہ خیز چیز کو آرٹ کی ایک صنف میں تبدیل کیا۔ جب انہوں نے جامہ کندی رقص پر پابندی عائد کرنا شروع کی تو میں اس وقت بھی اپنے شوز جاری رکھے ہوئے تھی جو

(1) ماضی کا احمقانہ رقص جس میں موسیقی کے ساتھ رقص کرنے والی رفتہ رفتہ اپنا لباس اتارتی تھی۔

اس وقت تک قانونی حیثیت کے حامل تھے۔ یہ شوز دیگر عورتوں کی بیہودگی سے بہت دور تھے، کہ جو حاضرین کی موجودگی میں اپنے لباس سے آزاد ہو جاتی تھیں۔ میری پرفارمنس کو دیکھنے والوں میں پوشینی اور میسینے جیسے عظیم موسیقار، وون کانٹ اور انتونیو گوویا جیسے سفیر، بیرون دی وو چائلڈ اور گیستون مونیرَ جیسے بڑے بڑے تاجر شامل ہیں۔ اب جبکہ میں الفاظ تحریر کر رہی ہوں، تو یہ بات مجھے تکلیف دے رہی ہے کہ یہ تمام لوگ مجھے یہاں سے آزاد کروانے میں میری ذرا بھی مدد نہیں کر رہے۔ بہر حال، کیا یہ وہ کیپٹن ڈریفس تو نہیں جو ڈیول آئی لینڈ سے واپس آیا تھا اور جس پر غلط الزام لگا دیا تھا؟

بہت سے لوگ کہیں گے کہ وہ تو بے گناہ تھا! جی، میں بھی ایسی ہی ہوں۔ میرے خلاف ایک بھی ٹھوس ثبوت نہیں، ماسوائے اس کے کہ جس کی میں نے خود حوصلہ افزائی کی تاکہ میں اپنی اہمیت بڑھا سکوں، اور اس کے بعد میں نے رقص ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا (باوجود اس کے کہ میں ایک مثالی رقاصہ ہوں)۔ اگر میں ایسی رقاصہ نہ ہوتی تو اس زمانے کا اہم ترین ایجنٹ مسٹر ایسٹرک مجھے متعارف نہ کرواتا کہ، جس شخص نے وقت کی مشہور ترین ایکٹریسز کو متعارف کروایا۔

مسٹر ایسٹرک نے تو، تقریباً، یہ انتظام بھی کر لیا تھا کہ میں مشہور ترین بیلے ڈانسر نجنسکی کے ساتھ لاسکالا میں رقص کروں۔ لیکن اس بیلے ڈانسر کے ایجنٹ ــــ اور عاشق ــــ نے مجھے ایک مشکل پسند، تند مزاج اور ناقابل برداشت عورت قرار دے دیا۔ اس کے چہرے پر کیا مسکراہٹ تھی، اس نے اس بات پر زور دیا کہ میں اپنا فن اپنے ہی زور پر پیش کرتی ہوں۔ مجھے نہ تو اطالوی پریس کی حمایت حاصل ہے اور نہ ہی تھیٹر کے ڈائریکٹرز کی تائید۔ اس بات سے میری روح کا ایک جزو مر گیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں عمر رسیدہ ہو رہی ہوں اور کچھ دیر بعد ہی میرے جسم میں وہ لچک اور ہلکا پن نہیں رہے گا، اور وہ سنجیدہ قسم کے اخبارات جنہوں نے، ابتداء میں، میری بہت تعریف کی، اب میرے خلاف ہو گئے تھے۔

` اور میری نقالی کرنے والے؟ شہر کے ہر کونے میں پوسٹر چسپاں ہو گئے تھے، جن پر اس قسم کی عبارت لکھی ہوتی ''ماتاہری کی جانشین''۔ وہ صرف یہ کرتی تھیں کہ اپنے اپنے جسموں کو بڑے مضحکہ خیز انداز میں ہلاتیں اور، بغیر کسی فنکارانہ صلاحیت اور جوش کے، اپنے کپڑے اتار پھینکتیں۔

مجھے آسٹرک سے کوئی گلہ نہیں اس نہج پر پہنچ کر بھی — آخری بات جو وہ چاہتا تھا وہ یہ کہ وہ اپنا نام میرے نام سے منسوب کرنا چاہتا تھا۔ زخمی روسی فوجیوں کے لئے منعقد کئے گئے فلاحی شوز کی سیریز ختم ہونے کے چند دن بعد وہ مجھے نظر آیا تھا۔ مجھے یہ شک ہے کہ ان شوز سے ہونے والی خطیر آمدن کو بحرالکاہل کے علاقوں میں ہونے والی جنگ میں خرچ کیا جا رہا ہے جہاں زار فوجیوں کو جاپانیوں سے شکست کا سامنا ہے۔ گیومے میوزیم میں پرفارمنس کے بعد، یہ میری پہلی پرفارمنز تھیں، ہر شخص اس کارکردگی پر بہت خوش تھا۔ اب میں اس قابل ہوگئی تھی کہ زیادہ سے زیادہ لوگ میرے کام میں دلچسپی لینے لگیں۔ مادام کریوسکی نے اپنی تجوریاں بھی بھریں اور میری بھی۔ امیر کبیر لوگ یہ سمجھتے رہے کہ وہ ایک بہترین مقصد میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں، اور ہر شخص، ہر ہر شخص کو یہ موقع بھی میسر آتا کہ وہ ایک خوبصورت عورت کو برہنہ دیکھ سکیں کہ جس میں شرم نام کی معمولی سی چیز بھی نہیں۔

آسٹرک نے میری مدد کی کہ وہ میرے لئے ایک ایسا ہوٹل تلاش کرے جو میری، بڑھتی ہوئی شہرت اور معیار کے مطابق ہو اور پھر اس نے، پورے پیرس کے لئے، میرے ساتھ معاہدے کئے۔ اس نے میرے لئے اولمپیا نامی ہال میں شو کا بندوبست کیا جو اس وقت کا اہم ترین کنسرٹ ہال تھا۔ آسٹرک، بیلجیم سے تعلق رکھنے والے ایک (یہودی) ربی کا بیٹا تھا اور وہ ان دیکھے، معاہدوں اور سودوں پر بھی اپنی جمع پونجی لگا بیٹھتا اور آج اس کا شمار بڑے تاجروں اور سرمایہ کاروں میں ہوتا جیسے کروسو اور رابنسٹین۔ وہ بالکل درست اور مناسب وقت پر مجھے باہر نکال کر لایا تا کہ میں دنیا دیکھ سکوں۔ اس کا بے حد شکریہ کہ میں نے

جس طرح خود کو برتا اور یوں میں بالکل ہی تبدیل ہوگئی، میں اتنا پیسہ کمانا شروع ہوئی جتنا میں نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہو، میں نے شہر کے بڑے بڑے کنسرٹ ہالز میں اپنے رقص کے جلوے دکھائے، میں اس قابل ہوگئی کہ میں نے خود کو آسائش میں ڈال لیا، اور میں نے جس چیز کو سب سے زیادہ سراہا وہ تھی: فیشن۔

مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کتنا پیسہ خرچ کیا کیونکہ آسٹرک نے مجھے سمجھایا تھا کہ کسی بھی چیز کی قیمت پوچھنا بدذوقی کی علامت ہے۔

''بس پسند کرو جو کرنا ہے، اور اسے اپنے ہوٹل بھیج دو— باقی معاملات میں سنبھال لوں گا''۔

اب جبکہ میں یہ سطور لکھ رہی ہوں، تو میں اس بات پر غور کر رہی ہوں: کیا وہ اس پیسے میں سے اپنا حصہ رکھتا تھا؟

لیکن میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ میں ایسی تلخی کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتی، کیونکہ اگر میں یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوگئی— اور میں ایسی امید ہی رکھتی ہوں، کیونکہ یہ محض ناممکن دکھائی دیتا ہے کہ میں ہر شخص اور ہر طرف سے ٹھکرا دی جاؤں...... تو میں اکتالیس سال کی ہو جاؤں گی، پھر میں خوشگوار زندگی گزارنے کا (اپنا) استحقاق مانگوں گی۔ میرا وزن بہت بڑھ گیا ہے اور میں رقص کی طرف شاید ہی لوٹ سکوں، لیکن اس دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی بہت کچھ ہے۔

میں آسٹرک سے متعلق سوچنے کو ہی بہتر سمجھوں گی، یہ وہ شخص ہے کہ جس نے، بڑا خطرہ مول لیکر، اپنی قسمت آزمائی کی ہے اور ایک بڑا تھیٹر بنانے میں کامیاب ہوا ہے جس کا نام اس نے ''رسمِ بہار'' رکھا ہے۔ یہ ایک نامعلوم روسی موسیقار جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا، اور خیالی دنیا میں رہنے والا، احمق نجنسکی، کہ جنہوں نے پیرس میں میری پہلی پرفارمنس میں سے ایک خاص جنسی سین کی نقالی پیش کروائی۔

میں آسٹرک کو، خاص طور پر، اس لئے بھی یاد رکھتی ہوں کہ یہی وہ شخص ہے جس نے مجھے دعوت دی کہ میں ٹرین میں بیٹھ کر نارمنڈی جاؤں، کیونکہ ایک دن پہلے ہی میں نے عارضہ وطن کی سی یادوں کے تحت، سمندر دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ ہم دونوں پانچ سال سے ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔

وہاں پہنچ کر ہم ساحل پر اکٹھے بیٹھ گئے، ہم نے زیادہ گفتگو بھی نہیں کی، حتیٰ کہ میں نے اپنے بیگ سے اخبار کا ایک صفحہ نکالا اور اس کے حوالے کر دیا۔

''زوال پذیر ماتا ہری: خودنمائی میں مبالغہ آمیزی مگر صلاحیت کم''، اخبار میں چھپنے والے آرٹیکل کا عنوان کچھ ایسا تھا۔

''یہ آج ہی چھپا ہے''، میں نے بتایا۔

آسٹرک نے اخبار پڑھنا شروع کیا اور میں سمندر کے پانی کو چھونے کے لئے چلی گئی اور وہاں سے کچھ پتھر اٹھا لئے۔

''اس بات کے بالکل برعکس جیسا تم سوچتے ہو، اب میں تھک بھی چکی ہوں اور اُکتا بھی گئی ہوں۔ میں اپنے خوابوں سے دور نکل گئی ہوں، میں وہ نہیں ہوں کہ جیسا بننے کا میں نے سوچا — دور دور تک بھی نہیں''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' آسٹرک نے حیرت سے پوچھا۔

''میں نے ہمیشہ بہترین فنکار متعارف کرائے ہیں، اور تم ان میں سے ایک ہو! محض کسی ایک شخص کا کیا ہوا تبصرہ، کہ جس کے پاس لکھنے کے لئے کچھ اچھا نہیں، تمہیں اتنا مایوس کر دے گا کہ تم خود سے ہی بیگانہ ہو جاؤ؟''

''نہیں، لیکن ایسا پہلی مرتبہ ہوا کہ، اس طویل عرصے میں، میں نے اپنے بارے میں پہلی مرتبہ پڑھا۔ میں تھیٹروں اور پریس سے غائب ہو رہی ہوں۔ لوگ مجھے ایک کسبی اور بازاری عورت سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھتے کہ جو عوام کے سامنے، ایک فنکارانہ بہانے بازی

کے تحت، برہنہ ہو جاتی ہے"۔

آسٹرک کھڑا ہوا اور مجھ سے دور چلا گیا۔ اس نے ساحل سے کچھ پتھر اٹھائے اور ان میں سے ایک کو پانی میں پھینک دیا، ساحلی لہروں سے دور۔

"میں کسبیوں کو متعارف نہیں کرواتا — اس سے میرا کاروبار ختم ہو جائے گا۔ یہ بات درست ہے کہ مجھے اپنی ایک یا دو (کاروباری) پارٹیوں کو اس بات کی وضاحت کرانا پڑی کہ میرے دفتر میں ماتا ہری کا پوسٹر کیوں چسپاں ہے۔ تمہیں معلوم ہے میں نے اس بات کا کیا جواب دیا؟ یہ کہ تم یہ سب کچھ جو کرتی ہو وہ، دراصل، قدیم بابل کی دیو مالائی کہانیوں کا باز اظہار ہے جس میں دیوی اناناعالم ممنوعہ میں جاتی ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے اسے سات دروازوں سے گزرنا ہوتا ہے؛ ہر دروازے پر ایک دربان کھڑا ہوتا ہے؛ اور اسے راہداری کے طور پر اپنے لباس کا ایک پرت اتارنا پڑتا ہے۔ ایک عظیم انگریز لکھاری، جو پیرس جلاوطنی پر مجبور کر دیا گیا اور وہ تنہائی اور مفلسی کا شکار ہو کر دنیا سے چلا گیا، نے ایک ڈرامہ تحریر کیا جو ایک نہ ایک دن کلاسیک میں شمار کیا جائے گا۔ اس ڈرامے میں ہیروڈ کی کہانی بیان کی گئی ہے کہ کس طرح اس نے جان دی بپٹسٹ کا سر حاصل کیا"۔

"واہ! وہ ڈرامہ کہاں ہے؟"

میں جذباتی ہونے لگی۔

"میرے پاس اس (ڈرامے) کے حقوق نہیں ہیں، اور میں اس کے تخلیق کار، آسکر وائلڈ، سے نہیں مل سکتا، تاوقتیکہ میں قبرستان جاؤں اور ان کی روح کو حاضر کروں۔ اب دیر ہو چکی ہے"۔

میری الجھن اور بے بسی ایک مرتبہ پھر ابھر آئی، جیسے ہی یہ خیال آیا کہ بہت جلد میں بوڑھی، بھدی اور مفلس ہو جاؤں گی۔ میں تیس کے پیٹے میں تھی۔ عمر کا نازک حصہ۔ میں نے ایک پتھر اٹھایا اور اسے آسٹرک سے بھی زیادہ زور سے پھینکا۔

''پتھرو! دور جا کر گرو، اپنے ساتھ میرا ماضی بھی لے جاؤ۔ میری تمام شرم، تمام پچھتاوے، وہ تمام غلطیاں جو میں نے کیں''۔

آسٹرک نے بھی ایک اور پتھر پھینکا اور بتایا کہ میں نے غلطیاں نہیں کیں۔ میں نے تو انتخاب کی قوت استعمال کی ہے۔ لیکن میں نے آسٹرک کی بات نہیں سنی اور ایک پتھر پھر پھینکا۔

''اور یہ پتھر اُس تذلیل کے لئے جس سے میرا جسم اور میری روح گزرے، اس پہلے اور بھیانک جنسی تجربے کے بعد سے۔ اور اب جبکہ میں امیر ترین لوگوں کے ساتھ ہمبستر ہوتی ہوں، ایسی حرکتیں کرتی ہوں جو مجھے آنسوؤں میں بہالے جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ محض اثر ورسوخ، پیسے، گاؤن...... اور ان چیزوں کے لئے جو پرانی ہو رہی ہیں۔ میں اس خودساختہ خوف سے مجروح ہو جاتی ہوں''۔

''لیکن کیا تم خوش نہیں؟ آسٹرک نے بڑھتی ہوئی حیرت سے پوچھا۔ بہر حال، ہم نے ساحل پر ایک خوشگوار سہ پہر گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔

بڑھتے ہوئے غصے کے ساتھ، میں نے پتھر پھینکنے کا سلسلہ جاری رکھا، اس کے ساتھ ہی میں خود پر حیران بھی ہوتی رہی۔ آنے والا دن، آنے والا دکھائی نہیں دے رہا تھا اور آج کا دن آج نہیں لگ رہا تھا، محض ایک چھوٹا سا گڑھا جسے میں ہر قدم پر کھودتی ہوں۔ لوگ میرے دونوں طرف ٹہل رہے تھے، بچے کھیل رہے تھے، بگلے فضاء میں عجیب حرکتیں کر رہے تھے، اور لہریں اتنے سکون سے اٹھ رہی تھیں جتنا میں سوچ سکتی تھی۔

''ایسا اس لئے ہے کہ میں نے قبول کئے جانے اور عزت کروانے کا خواب دیکھا، اگرچہ میں کسی بھی چیز کے لئے کسی کی بھی احسان مند نہیں۔ مجھے ایسا کرنے کی ضرورت کیوں ہے؟ میں اپنا وقت پریشانیوں، پچھتاوؤں اور اندھیرے میں ضائع کرتی ہوں— ایسا اندھیرا جو مجھے غلام بنائے ہوئے ہے، اس (اندھیرے) نے مجھے ایسی چٹان سے

باندھ رکھا ہے جہاں میں شکاری پرندوں کی غذا کے طور پر استعمال ہوتی ہوں، اور یہ ایسی چٹان ہے جسے میں چھوڑ نہیں سکتی"۔

میں رو بھی نہیں سکی۔ پتھر پانی میں غائب ہو گئے، ایک دوسرے کے ساتھ ایسے ڈوب گئے کہ جیسے انہوں نے سمندر کی تہہ میں مار گریتھا زیل کو دوبارہ بنانا ہو۔ لیکن میں دوبارہ اس کی ہونا نہیں چاہوں گی، ایک ایسی عورت، جس نے اندریاس کی بیوی کی آنکھوں میں دیکھا اور سمجھ گئی۔ ایک ایسی عورت جس نے مجھے بتایا کہ ہماری زندگیاں اور زندگی کی چھوٹی سے چھوٹی چیزیں بھی پہلے سے طے شدہ ہوتی ہیں: تم پیدا ہوتی ہو، سکول جاتی ہو، یونیورسٹی جاتی ہو، وہاں اپنا شوہر تلاش کرتی ہو۔ تمہاری شادی ہو جاتی ہے — چاہے وہ دنیا کا بدترین شخص ہی کیوں نہ ہو — محض اس لئے کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ تمہاری کسی کو ضرورت نہیں۔ تمہارے بچے پیدا ہو جاتے ہیں، تم بوڑھی ہو جاتی ہو، زندگی کے آخری ایام کرسی پر بیٹھے ہوئے، دیگر لوگوں کو دیکھنے میں گزارتی ہو، پھر تم یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتی ہو کہ تم زندگی کے بارے میں سب کچھ جانتی ہو تاہم تم اپنے دل سے اٹھنے والی آواز کو خاموش کروانے میں ناکام رہتی ہو جو تم سے کہہ رہی ہوتی ہے: تم کسی اور چیز کا تجربہ بھی کر سکتی ہو"۔

ایک بگلہ ہماری طرف آ گیا، چلّایا اور واپس چلا گیا، وہ ہمارے اتنا قریب آ گیا کہ آسٹرک نے خود کو بچانے کے لئے اپنی آنکھوں پر اپنا بازو رکھ لیا۔ بگلے کی وہ چیخ مجھے حقیقت کی دنیا میں واپس لے آئی؛ میں ایک مرتبہ پھر سے ایک مشہور عورت تھی، جسے اپنے حسن پر بھرپور اعتماد تھا۔

"میں رُکنا چاہتی تھی۔ میں اس زندگی کو جاری رکھنا چاہتی تھی۔ میں ایک فنکارہ اور ایک رقاصہ کی حیثیت سے کتنا عرصہ کام کر سکتی تھی؟"

وہ اپنے جواب میں سچا تھا:

"تقریباً اگلے پانچ سال تک"۔

''تو پھر چیزوں کو یہیں ختم کرتے ہیں''۔

آسٹرک نے میرا ہاتھ تھام لیا۔

''ہم ایسا نہیں کر سکتے! ابھی بہت سے معاہدے تکمیل طلب ہیں، اور اگر ہم نے انہیں پورا نہ کیا تو مجھے جرمانہ ہو جائے گا۔ تمہیں اپنی زندگی گزارنے کے لئے اور کیا چاہیے۔ تم کبھی بھی اپنی زندگی کے آئندہ ایام ان گندے ہاسٹلوں میں گزارنا پسند نہیں کرو گی، کہ جہاں سے میں نے تمہیں تلاش کیا، کیا تم ایسا کرنا پسند کروں گی؟''

''ہم تمام معاہدے ختم کر دیں گے، تم میرے ساتھ بہترین چلے ہو، اور میں نہیں چاہوں گی کہ تمہیں میری شان وشوکت یا گھٹیا پن کے فریب کی وجہ سے نقصان اٹھانا پڑے۔ لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں؛ میں اپنا گزارا کر ہی لوں گی''۔

اور کچھ زیادہ سوچے بغیر ہی، میں نے اسے اپنی زندگی کے بارے میں بتانا شروع کر دیا— کچھ ایسی چیزیں جو میں نے ابھی تک اپنے پاس ہی رکھی تھیں کیونکہ جو کچھ میں نے اسے، اب تک بتایا تھا وہ محض ایک جھوٹ کے بعد دوسرا جھوٹ ہی تھا۔ جیسے ہی میں نے اپنی داستان شروع کی، میری آنکھوں سے آنسو ٹپکنا شروع ہو گئے۔ آسٹرک نے مجھے دلاسا دیا اور پوچھا کہ کیا میں ٹھیک ہوں، لیکن میں نے اسے سب کچھ بتانے کا سلسلہ جاری رکھا، اس نے کچھ بھی نہ کہا، بڑی خاموشی سے بیٹھا میری گفتگو سنتا رہا۔

بالآخر یہ قبول کر لینے کے بعد، کہ میں وہ نہیں ہوں کہ جیسا میں نے سوچا تھا، میں نے محسوس کیا کہ میں ایک اندھی سرنگ میں جا رہی ہوں۔ تاہم جیسے ہی میرے زخم اور دھبے تازہ ہوئے، میں خود کو مضبوط تر محسوس کرنے لگی۔ اب میرے آنسو آنکھوں سے نہیں نکل رہے تھے بلکہ میرے دل کے کسی تاریک اور گہرے گوشے سے نکل رہے تھے، اور مجھے ایک ایسی کہانی سنا رہے تھے جو میں مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر تھی، اور اس کہانی کی اپنی ہی زبان تھی۔ میں ایک بیڑے پر سوار تھی جو کامل اندھیرے میں تیرتا جا رہا تھا، لیکن دور، بہت دور، اُفق پر

روشنی کے مینار کی چمک دکھائی دے رہی تھی جو مجھے خشک زمین تک پہنچا دے گی، اگر سمندر کی بے کراں لہریں اس بات کی اجازت دیں اور اگر مجھے دیر نہ ہوگئی ہو۔

میں نے ایسا پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ اپنے زخموں سے متعلق گفتگو کرنے سے وہ زخم اور حقیقی ہو جائیں گے۔ لیکن اب تو اس کے الٹ ہو رہا تھا: میرے آنسو میرے زخموں کا مرہم بن رہے تھے۔

میں نے اپنے مکّے ساحل کی پتھریلی دیوار پر مارے، میرے ہاتھوں سے خون رِسنا شروع ہو گیا لیکن مجھے درد بالکل بھی محسوس نہیں ہوا۔ میں تو ٹھیک ہو رہی تھی۔ تب مجھے سمجھ آیا کہ کیتھولک حضرات اعترافات کیوں کرتے ہیں، جبکہ وہ یہ بات بہتر طریقے سے جانتے ہیں کہ پادری حضرات بھی ایسے ہی گناہ کرتے ہیں، شاید ان سے بھی شدید تر۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون یہ اعترافات سُن رہا ہے؛ فرق اس سے پڑتا ہے کہ اپنے زخم کو سورج کے سامنے کھول دو تا کہ وہ صحیح ہو جائے اور بارش کا پانی اسے دھو ڈالے۔ میں اس وقت یہی کچھ کر رہی تھی، ایک ایسے شخص کے سامنے جس سے میری کوئی بے تکلفی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے میں اس کے سامنے آزادانہ بولے چلی جا رہی تھی۔

کافی دیر بعد، جب میری سسکیاں تھمنا شروع ہوئیں اور سمندری لہروں کی آواز سے مجھے سکون محسوس ہونے لگا۔ آسٹرک نے بڑی آہستگی سے میرا ہاتھ تھاما اور کہا کہ پیرس جانے کے لئے آخری ٹرین جانے والی ہو گی اور ہمیں جلدی کرنی چاہیے۔ راستے میں اس نے مجھے فن کی دنیا سے آنے والی تازہ ترین خبروں سے آگاہ کیا، جیسے کون کس کے ساتھ سویا اور کس کی کس جگہ سے چھٹی کرا دی گئی۔

میں ہنستی رہی اور مزید سنانے کا کہتی رہی۔ وہ یقینی طور پر ایک دانشمند اور باوقار شخص تھا؛ وہ اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ میرے آنسوؤں نے میرے وجود سے ہر چیز باہر نکال دی تھی اور ان چیزوں کو ریت میں دفنا دیا تھا، جہاں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گی۔

''ہم فرانس کی تاریخ کے عظیم ترین دور سے گزر رہے تھے''۔

''عالمی میلے کے دوران؛ پیرس بالکل مختلف ہوتا تھا؛ بڑا محدود سا، اگرچہ اس وقت بھی، یہاں کے لوگوں کا خیال تھا کہ یہ دنیا کا مرکز ہے''۔

سہ پہر کا سورج، مہنگے ترین ہوٹل ایلیسی پیلیس کی کھڑکی سے چمکتا دکھائی دے رہا تھا۔ ہمارے اردگرد فرانس سے تعلق رکھنے والی بہترین چیزیں رکھی تھیں: شیمپین، انشین (1)، چاکلیٹ، پنیر اور تازہ گلاب سے تیار کردہ عطر۔

کمرے کے باہر مجھے بڑا مینار نظر آ رہا تھا، جس پر اب اس کے بنانے والے کا نام کندہ تھا، ایفل۔

اس نے بھی لوہے کے اس بڑے مینار کو دیکھا۔

''اس مینار کی تعمیر اس لئے نہیں کی گئی تھی کہ یہ میلے کے بعد بھی برقرار رہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس ارادے سے فوراً آگے بڑھ گئے کہ اس دیوہیکل مینار کو یہاں سے ہٹائیں''۔

میں اس سے اختلاف کر سکتی تھی، لیکن اس نے مزید دلائل پیش کر دیئے اور وہ یہ منوانے میں کامیاب رہا۔ لہٰذا میں اس دوران خاموش ہی رہی اور وہ اپنے ملک کی تاریخ بتاتا رہا۔ صنعتی پیداوار تین گنا ہو گئی ہے، اور زراعت کو اَب مشینوں کی مدد حاصل ہے، اور

(1) فرانس کی مشہور شراب۔

ایک شخص دس افراد جتنا کام کرسکتا ہے، دُکانوں کی تعداد انتہائی بڑھ چکی ہے اور فیشن بالکل تبدیل ہو چکا ہے۔ اس بات سے میں بہت خوش ہوئی کہ اب میرے پاس یہ بہانہ ہوگا کہ میں اپنے کپڑوں کے سٹاک کو تازہ کرنے کے لئے، سال میں دو مرتبہ شاپنگ کرسکوں۔

''کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ پھلوں کا ذائقہ بھی بہتر ہو گیا ہے؟''

جی! میں نے یہ بات نوٹ کی ہے، لیکن میں اس بات سے زیادہ خوش نہیں ہوئی، کیونکہ میرا وزن بڑھنا شروع ہو گیا ہے۔

''صدر محترم نے مجھے بتایا کہ سڑکوں پر سائیکلوں کی تعداد، گزشتہ صدی کے آخر میں موجود تعداد تین لاکھ پچھتر ہزار سے بڑھ کر تیس لاکھ ہو گئی ہے۔ گھروں میں تازہ پانی اور گیس کی سہولت ہے، اور لوگ چھٹیوں میں، دور دراز کا سفر کر سکتے ہیں۔ کافی کی کھپت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے، لوگ اب، بیکریوں کے سامنے لمبی قطاریں بنائے بغیر ہی، با آسانی ڈبل روٹی خرید سکتے ہیں''۔

وہ یہ لیکچر کیوں دے رہا تھا؟ یہ جمائی لینے کا وقت تھا اور ایک مرتبہ پھر ''گونگی عورت'' سے کھیلنے کا وقت تھا۔

اڈولف میسیمی۔ سابق وزیر جنگ اور حالیہ قومی اسمبلی کے ڈپٹی۔ اپنے بستر سے اٹھے، کپڑے بدلنے شروع کئے، اپنے تمام تمغے اور اعزازات سجائے۔ آج ان کی اپنی پرانی بٹالین سے ملاقات تھی، اور اس میں وہ ایک عام سویلین کا لباس پہن کر نہیں جا سکتے تھے۔

''اگر چہ ہم انگریزوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں تاہم وہ ایک بات میں درست ہیں: یہ انتہائی سمجھداری کا کام ہے کہ جنگ میں، بھیانک قسم کی، بھورے رنگ کی یونیفارم پہن کر جایا جائے۔ جبکہ اس کے برعکس ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں بڑی شان و شوکت کے ساتھ، سرخ رنگ کی ٹوپیاں اور پینٹ پہن کر مرنا چاہیے جو چیخ چیخ کر دشمن کو یہ پیغام دے رہی ہوں: 'دیکھو! اپنی اپنی رائفلیں اور توپوں کا رُخ اِدھر کرو! کیا تم ہمیں نہیں دیکھ سکتے'؟''

وہ اپنے مذاق پر خود ہی مسکرا دیا۔ اسے خوش کرنے کے لئے، میں بھی مسکرائی، اور پھر کپڑے بدلنا شروع کر دیئے۔ بہت ہی عرصہ ہوا میں نے وہ فریب کھو دیا کہ میں چاہی جاؤں، کہ جس کے لئے میں، ماضی میں، اور اب قبول کی جاتی ہوں، واضح شعور کے ساتھ، پھول، چاپلوسی اور پیسہ میری انا اور میری جھوٹی شناخت کی تسکین کرتے ہیں۔ یقین دہانی کے لئے میں ایک دن اپنی قبر پر جاؤں گی، محبت سے آشنائی کے بغیر، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میرے لئے محبت اور طاقت ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔

تاہم، میں اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ دیگر لوگوں کو اس بات کا ادراک ہونے دیتی۔ میں میسیمی کے پاس گئی، اس کے گال کا بوسہ لیا، جو آدھے تو گل مونچھوں سے بھرے تھے، جیسے میرے بد بخت شوہر کے۔

اس نے ایک موٹا سا لفافہ میز پر رکھ دیا جس میں ایک ہزار فرانک تھے۔

"مجھے غلط مت سمجھنا، محترمہ۔ میں تو محض اپنے ملک کی ترقی سے متعلق گفتگو کر رہا تھا، میرا خیال ہے کہ یہ صارف کی امداد کرنے کا وقت ہے۔ میں ایک ایسا آفیسر ہوں جو کماتا زیادہ ہے اور خرچ کم کرتا ہے۔ لہٰذا مجھے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ میں کچھ نہ کچھ تقسیم کروں: صرف کرنے کی ترغیب دیں"۔

ایک مرتبہ پھر، وہ اپنے ہی کئے گئے مذاق پر خود ہی ہنس پڑا۔ وہ اس بات پر کامل یقین رکھتا تھا کہ مجھے اس کے تمغے بہت اچھے لگتے ہیں اور میں ملک کے صدر سے اس کے تعلقات سے بہت متاثر ہوں، اس بات کو اس نے، اپنی گفتگو کا مرکزی نکتہ بنا لیا تھا اور ہم جب بھی ملے، اس نے یہ ذکر ضرور کیا۔

اگر اس بات کا پتہ چل جاتا کہ یہ سب کچھ فریب ہے، کہ — میرے لئے — محبت کے کوئی اصول نہیں، تو وہ مجھ سے دور ہو جاتا اور، شاید، بعد میں مجھے سزا بھی دیتا۔ وہ وہاں جنسی تسکین کے لئے موجود نہیں تھا بلکہ چاہے جانے کی خواہش کو محسوس کرنے کے لئے آیا

تھا، کیا کسی عورت کا ہیجان اس کے اندر یہ احساس جگا سکتا ہے کہ وہ کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جی، محبت اور طاقت ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔ محض میرے لئے ہی نہیں۔

وہ وہاں سے چلا گیا اور میں نے بڑے آرام سے لباس تبدیل کیا۔ میرا اگلا ٹاکرا، رات گئے تھا، وہ بھی پیرس سے باہر۔ میں نے ہوٹل میں رُکنا تھا، بہترین لباس زیب تن کرنا تھا اور نوئی (کے مقام پر) جانا تھا، جہاں مجھے سب سے زیادہ چاہنے والا عاشق میرے انتظار میں ہوگا، کہ اس نے میرے نام سے ایک وِلا خریدا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اسے کار اور ڈرائیور کا بھی کہوں گی، لیکن پھر خیال آیا کہ وہ مجھ پر شک کرے گا۔

یقینی طور پر میں اس سے زیادہ بھی حاصل کر سکتی تھی۔ وہ شادی شدہ تھا، ایک بینکار جس کی شہرت اچھی تھی، اگر میں کوئی بات کر دیتی تو اخبار والوں کی موجیں ہو جاتیں۔ ان دنوں وہ میرے ''مشہور عشاق'' میں خصوصی دلچسپی لے رہے تھے، یہ بات بھول کر کہ میرے فن کی نوعیت کیا ہے اور میں نے اسے پروان چڑھانے میں کتنی محنت کی ہے۔

اپنے مقدمے کے دنوں میں مجھے معلوم ہوا کہ کوئی شخص ہوٹل کی لابی میں موجود ہوتا تھا، بظاہر وہ اخبار پڑھتا ہوا نظر آتا تھا، دراصل وہ میری ہر حرکت پر نظر رکھتا تھا، جیسے ہی میں باہر جاتی، وہ اپنی نشست سے اٹھتا اور میرے پیچھے چل پڑتا۔

میں دنیا کے سب سے خوبصورت شہر کے مرکزی بولیوارڈز میں گھومتی تھی۔ میں نے لوگوں سے بھرے کیفے دیکھے اور انتہائی خوش لباس لوگوں کو ادھر سے اُدھر جاتے دیکھا۔ جب میں نے خوبصورت جگہوں سے وائلن کی آواز آتی سُنی تو میں سوچنے لگی کہ، آخر، میرے لئے زندگی کتنی خوشگوار ہے۔ بلیک میل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مجھے جو کرنا ہے وہ صرف یہ ہے کہ موصول ہونے والے تحائف کو سنبھالنے کا سلیقہ سیکھ لوں، ایسا کرنے سے ہی میں سکون میں آ جاؤں گی۔ بجائے اس کے کہ میں اپنے ساتھ شب بسری کرنے والے کسی ایک شخص کا نام

لوں، (ایسا کرنے سے) باقی لوگ میرا ساتھ اس لئے چھوڑ جائیں گے کہ کہیں میں ان لوگوں کو بھی بلیک میل یا بدنام نہ کروں۔

میں نے پلان بنایا تھا کہ میں اس وِلا میں چلی جاؤں جو میرے بینکار دوست نے اپنے ''سنہری ایام'' گزارنے کے لئے بنایا تھا۔ اس میں ایک بات مایوس کن تھی؛ وہ پہلے ہی بوڑھا تھا، لیکن وہ یہ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ میں وہاں دو یا تین دن رہوں گی، گھڑسواری کروں گی اور اتوار تک پیرس واپس آ جاؤں گی، پھر میں سیدھی لانگ چیمپ ریس کورس جاؤں گی اور جو جو لوگ مجھ سے حسد رکھتے ہیں یا میری تعریف کرتے ہیں، انہیں دکھاؤں گی کہ میں ایک بہترین گھڑسوار ہوں۔

لیکن رات ڈھلنے سے پہلے کیوں نہ ایک کپ گُلِ بابونہ چائے کا ہو جائے؟ میں ایک کیفے کے باہر بیٹھ گئی، لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا کہ یہ تو وہی چہرہ اور جسم ہے جو شہر کے ہر کونے میں پھیلے ہوئے پوسٹ کارڈوں پر موجود ہے۔ میں نے دکھاوا کیا کہ میں گہرے خیالات میں گم ہوں، کوئی ایسی عورت جس نے بڑے اہم کام کرنے ہیں۔

ابھی مجھے آرڈر دینے کا موقع بھی نہیں ملا تھا کہ ایک شخص آیا اور میرے حسن کی تعریف کی۔ میں نے اپنی روایتی اُکتاہٹ کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کیا، آدھا سا مسکرائی اور اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ لیکن وہ شخص اپنی جگہ سے بالکل بھی نہیں ہلا۔

''کافی کا ایک شاندار کپ، آپ کے باقی دن کو بچا لے گا''۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے ویٹر کو اشارہ کیا کہ وہ میرا آرڈر لے۔

''ایک کپ گُلِ بابونہ چائے،'' میں نے ویٹر کو کہا۔

اس شخص کا فرانسیسی تلفظ ذرا مختلف تھا کہ جیسے وہ ہالینڈ یا جرمنی کا رہنے والا ہو۔ وہ مسکرایا اور اپنے ہاتھ سے اپنے ہیٹ کے اگلے حصّے کو چھوا، کہ جیسے وہ مجھے الوداع کہنا چاہ رہا ہو، حالانکہ وہ مجھے آداب پیش کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے پوچھا کہ اگر وہ چند لمحوں کے لئے

میرے پاس بیٹھ جائے تو کیا مجھے بُرا لگے گا۔ میں نے اجازت دے دی، حالانکہ مجھے بُرا لگا تھا۔ مجھے تنہا ہی ہونا چاہیے تھا۔

''ماتا ہری جیسی خاتون کبھی بھی تنہا نہیں ہوتی''، نئے آنے والے شخص نے کہا۔ یہ بات جان کر کہ اس نے مجھے پہچان لیا، میرے من میں ایک تار چھڑ گئی، کہ جس کی بلند آواز ہر انسان میں ایک گمک پیدا کر دیتی ہے: خودنمائی۔ اس وقت تک بھی میں نے اسے بیٹھنے کے لئے نہیں کہا تھا۔

''ہوسکتا ہے کہ آپ اب بھی ان چیزوں کی متلاشی ہوں جو آپ کو میسّر نہیں''، اس نے بات جاری رکھی، ''پورے شہر میں خوش لباس ترین خاتون گردانے کے باوجود بھی — میں نے یہ بات ایک میگزین میں پڑھی — کچھ لباس ایسے ہیں جو ابھی آپ نے زیب تن نہیں کیے، کیا یہ درست ہے؟ اور پھر اچانک صورت حال انتہائی بور ہوگئی''۔

بظاہر وہ میرا ایک چاہنے والا دکھائی دیتا تھا؛ تو پھر اسے ان چیزوں کے بارے میں کیسے معلوم تھا جو صرف خواتین کے میگزینوں میں موجود تھیں؟ کیا مجھے یہ چاہیے کہ میں اسے ایک موقع فراہم کروں؟ کیونکہ اپنے دوست بینکار کے گھر، نوئی، جانے میں ابھی خاصی دیر تھی۔

''کیا آپ کسی نئی چیز پر قسمت آزمائی کرنا چاہ رہی ہیں؟'' اس نے زور دیتے ہوئے کہا۔

''جی بالکل۔ میں ہر مرتبہ خود کو نئے سرے سے دریافت کرنے کی کوشش کرتی ہوں، اور یہی چیز زندگی میں دلچسپ ترین ہے''۔

اب اس نے دوبارہ کچھ نہیں پوچھا؛ کرسی کھینچی اور میرے ساتھ میز پر بیٹھ گیا۔ جب ویٹر میرے لئے چائے لے آیا تو اس نے اپنے لئے کافی کے بڑے کپ کا آرڈر دیا، اور اسے اشارہ کیا جس کا مطلب تھا؛ بل میں ادا کروں گا۔

''فرانس ایک بحران کی طرف بڑھ رہا ہے''۔اس نے کلام جاری رکھا،''اور اس بحران سے نکلنا بہت مشکل ہوگا''۔

اسی سہ پہر کے بعد، میں نے جو سنا وہ اس کے بالکل برعکس تھا۔لیکن اس کا ایک مطلب یہ ضرور نکلتا ہے کہ ہر ایک شخص کا معیشت کے بارے میں اپنا ایک خیال ہے،ایک ایسا موضوع جس میں مجھے ذرا بھی دلچسپی نہیں۔

میں نے سوچا کہ اسے ذرا سی زحمت دینے کے لئے اس کے ساتھ کھیل کھیلوں۔مجھے جو کچھ میسمی نے بتایا تھا وہ ہو بہو اس کے سامنے بیان کر دیا جسے میسمی نے ''ایک خوبصورت عہد'' کا نام دیا تھا۔اس نے کسی قسم کی حیرت کا اظہار نہیں کیا۔

''میں معاشی بحران سے متعلق گفتگو نہیں کر رہا، میں تو ذاتی بحران سے متعلق گفتگو کر رہا ہوں، اقدار کا فقدان۔کیا آپ یہ سوچتی ہیں کہ لوگ، پیرس میں ہونے والے عالمی میلے کے لئے امریکیوں کی نئی دریافت سے متعلق،طویل گفتگو کے امکان کے عادی ہو گئے ہیں؟ یہ تو اب یورپ کے ہر کونے تک پہنچ گئی ہے''۔

''کئی لاکھ سال تک انسان صرف اس سے متعلق گفتگو کرتا تھا کہ جو وہ دیکھ سکتا ہو۔پھر اچانک،صرف ایک ہی دہائی میں،'دیکھنے'اور'بولنے' کے عمل میں تفریق ہوگئی۔ہم یہ سوچتے ہیں کہ ہم اس بات کے (ہمیشہ سے) عادی ہیں،تاہم ہم (ابھی تک) یہ نہیں سمجھ پائے کہ اس کے ہمارے روّیوں پر کیا شدید اثرات پڑتے ہیں۔ہمارے جسم (ابھی) اس کے عادی نہیں ہیں''۔

''واضح طور پر،اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب ہم ٹیلی فون پر گفتگو کرتے ہیں،تو ہم ایک ایسی کیفیت میں چلے جاتے ہیں جو کچھ جادوئی قسم کی ہوتی ہے؛ ہم اپنے بارے میں دیگر چیزیں دریافت کر سکتے ہیں''۔

ویٹر بل لے کر آ گیا۔وہ شخص خاموش ہو گیا جب تک ویٹر وہاں سے نہیں گیا۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ ان بیہودہ قسم کی رقاصاؤں کو دیکھ کر عاجز آ چکی ہوں گی جو نیم برہنگی اور برہنگی کو فن سمجھتی ہیں اور شہر کے ہر ایک کونے میں دکھائی دیتی ہیں، ان میں سے ہر کوئی یہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ ماتا ہری کی جانشین ہے۔ لیکن زندگی کچھ اس طرح کی ہے: کوئی بھی نہیں سیکھتا۔ عظیم یونانی فلسفی...... محترمہ، کیا میں آپ کو بور کر رہا ہوں؟''

میں نے نفی میں سر ہلایا اور اس نے بولنا جاری رکھا۔

''یونانی فلسفیوں سے متعلق بھول جائیں۔ انہوں نے ہزاروں سال پہلے بھی جو کچھ کہا اس کا اطلاق آج بھی ہوتا ہے۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں۔ دراصل میں آپ کو ایک تجویز دینا چاہتا ہوں''۔

''ایک اور'' میں نے سوچا۔

''یہاں کے لوگ آپ کو وہ تعظیم نہیں دے رہے جس کی آپ مستحق ہیں، ہو سکتا ہے آپ کسی ایسی جگہ اپنے فن کا مظاہرہ کرنا پسند کریں جہاں کے لوگ آپ کو اس صدی کی سب سے عظیم رقاصہ سمجھتے ہوں؟ میں برلن کی بات کر رہا ہوں، جس شہر سے میرا تعلق ہے''۔

یہ بڑی پرکشش تجویز تھی۔

''میں آپ کا رابطہ اپنے منیجر سے کروا دیتی ہوں......''

لیکن اس نئے آنے والے نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا۔ ''میں بلاواسطہ آپ سے ملاقات طے کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کا ایجنٹ ایک ایسی نسل سے تعلق رکھتا ہے کہ ہم — نہ جرمن اور نہ ہی فرانسیسی — اسے زیادہ پسند نہیں کرتے''۔

یہ ایک عجیب کاروبار تھا، لوگوں سے یہ نفرت محض مذہب ہی کی بنیاد پر تھی۔ میں نے یہ یہودیوں کے لئے دیکھی تھی، لیکن اس سے پہلے، جب میں جاوا میں تھی تو میں نے ایک ایسی فوج (ملیشیا) کے بارے میں سُنا جو لوگوں کو محض اس لئے مار رہی تھی کہ وہ لوگ ایک ایسے دیوتا کی پوجا کرتے ہیں جس کا چہرہ ہی نہیں جبکہ وہ لوگ قسم کھاتے ہیں کہ ان کی مقدس

کتاب ایک فرشتے کے ذریعے ان کے نبی پر نازل ہوئی۔ کسی شخص نے اس مقدس کتاب کا ایک نسخہ مجھے بھی دیا تھا، جسے قرآن کہتے ہیں۔ یہ عربی رسم الخط میں ہے، لیکن پھر، ایک دن جب میرا شوہر گھر آیا تو اس نے وہ تحفہ مجھ سے لے لیا تھا۔

''میرے کاروباری شراکت دار اور میں، آپ کو اچھی خاصی رقم ادا کریں گے''، اس نے مزید کہا، اور ایک لبھانے والی رقم کا انکشاف کیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ رقم فرانک میں کتنی بن جائے گی، اور میں اس کا جواب سُن کر حیران ہی رہ گئی۔ میں نے چاہا کہ فوراً ہی حامی بھر لوں، لیکن اعلیٰ طبقے کی عورت کبھی بھی جذباتی فیصلہ نہیں کرتی۔

''وہاں پر آپ کی ایسی ہی پذیرائی ہوگی جیسی آپ کے شایانِ شان ہونی چاہیے۔ پیرس اپنے بچوں سے انصاف نہیں کرتا، خاص طور پر اگر وہ کوئی منفرد کام کریں، تو''۔

اسے اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ وہ میری ہتک کر رہا تھا، باوجود اس حقیقت کے کہ، پیدل چلتے ہوئے، میں خود ایسا ہی سوچ رہی تھی۔ مجھے آسٹرک سے ساتھ، ساحل سمندر پر گزارا ہوا دن یاد آ رہا تھا، وہی شخص جس کے بارے میں کہا گیا کہ وہ معاہدے میں شامل نہیں ہوگا۔ تاہم میں ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی جو ''شکار'' کو خوفزدہ کر کے بھگا دے۔

''میں اس کے بارے میں سوچوں گی''، میں نے بڑی بے مروّتی سے کہا۔

ہم نے ایک دوسرے کو خیر باد کہا، اس نے مجھے بتایا کہ وہ کہاں ٹھہرا ہوا ہے، اور بتایا کہ وہ کل تک میرے جواب کا انتظار کرے گا، کیونکہ پھر اسے اپنے شہر لوٹنا ہے۔ میں کیفے سے سیدھی آسٹرک کے دفتر گئی۔ وہاں میں نے اعتراف کیا کہ وہ تمام پوسٹرز دیکھ کر کہ جو لوگوں نے اپنی شہرت کی خاطر آویزاں کروائے ہیں، میرے اندر انتہائی اُداسی اُتر آئی ہے۔ لیکن میں، گزرے ہوئے وقت میں واپس نہیں جا سکتی۔

آسٹرک نے، ہمیشہ کی طرح، انتہائی تپاک اور احترام سے میرا استقبال کیا، کہ جیسے اس کے لئے اہم ترین فنکارہ میں ہی ہوں، میں نے اس شخص سے ہونے والی تمام گفتگو

آسٹرک کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جو معاملہ بھی طے ہو، تمہارا کمیشن تمہیں ملے گا۔

اس نے جو کہا وہ یہ تھا، ''ابھی اور اسی وقت؟''

مجھے یہ بات سمجھ نہیں آئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ وہ میرے ساتھ ذرا ترشی سے پیش آیا تھا۔

''جی، ابھی، مجھے بہت سا کام کرنا ہے''۔

وہ میرے معاہدہ کرنے کے بارے میں حائل نہیں ہوا، اس نے میرے لئے بہترین خواہشات کا اظہار کیا، اور کہا کہ اسے کمیشن کی بالکل بھی ضرورت نہیں، مجھے تجویز دی کہ یہی وقت ہے کہ میں اپنے لئے پیسے بچانے شروع کر دوں اور کپڑوں کی خریداری پر اتنا زیادہ پیسہ خرچ کرنا بند کر دوں۔

میں نے حامی بھر لی اور وہاں سے چلی آئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ یہ سوچ کر دہل جائے گا کہ اس کے تھیٹر کو آغاز ہی میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ وہ تباہی کے دہانے پر آ کھڑا ہو گا۔ ''رسمِ بہار'' نامی تھیٹر جیسی کوئی چیز بنانا اور اس میں بخسنکی جیسے چور فنکار کو مرکزی کردار دینا، ان تمام باتوں کا مطلب تیز ہواؤں کو یہ مہلت دینا ہے کہ وہ اس کے بحری جہاز کو غرق کر دیں۔

اگلے دن میں نے اس غیر ملکی سے رابطہ کیا اور اسے کہا کہ میں نے تمہاری آفر قبول کی، لیکن اس سیریز کی تکمیل سے قبل نہیں جو احمقانہ مطالبوں کو پورا کرنے کے لئے ابھی کرنی ہے۔ لیکن حیرت انگیز طور پر، اس نے مجھے محض فضول خرچ کہا اور بتایا کہ وہ میری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہے، کیونکہ حقیقی فنکار ایسے ہی ہوتے ہیں۔

وہ ماتا ہری کون تھی جو، ایک بارش والے دن، شہر کے ایک بڑے سٹیشن سے، ٹرین میں بیٹھ کر روانہ ہوئی؟ اسے بالکل بھی معلوم نہیں تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہوگا، یا اس کی اگلی منزل کہاں ہے، اسے تو صرف اس بات کا بھروسہ تھا کہ وہ ایک ایسے ملک جا رہی ہے جہاں وہ زبان بولی جاتی ہے جو اس کی اپنی زبان ہے، لہٰذا وہ کبھی بھی گم نہیں ہوگی۔

اس وقت میری عمر کیا تھی؟ بیس سال؟ اکیس؟ میں بائیس سال سے زیادہ تو بالکل بھی نہیں تھی، اگرچہ میرے پاس جو پاسپورٹ تھا اس کے مطابق میری تاریخ پیدائش 7/اگست 1876ء تھی۔ جب ٹرین برلن کی طرف رواں دواں تھی تو اس دن کے اخبار کے مطابق تاریخ 11/جولائی، 1914ء تھی۔ لیکن میں ریاضی میں پڑنا نہیں چاہتی تھی؛ میری زیادہ دلچسپی اس بات میں تھی جو دو ہفتے قبل واقعہ پیش آیا تھا۔ سرائیوو میں ہونے والا ظالمانہ حملہ، جہاں آرچ ڈیوک فرڈیننڈ (1)، اپنی خوبرو بیوی کے ساتھ مارا گیا، اس عورت کا قصور محض یہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کی طرف گئی ہوئی تھی جب ایک جنونی نے اسے اور اس کے شوہر کو گولیاں مار دیں۔

کسی بھی واقعے کے وقوع پذیر ہونے پر، میں خود کو دیگر تمام عورتوں سے مکمل طور پر مختلف محسوس کرتی تھی۔ میں ایک بیگانہ پرندہ تھی جو ایسی زمین پر گھوم رہا ہے جسے انسانیت کی روحانی غربت نے تاراج کیا ہو۔ میں ایک راج ہنس تھی جو بطخوں کے درمیان رہ رہی ہو اور

(1) آرچ ڈیوک فرڈیننڈ (1863-1914ء) آسٹریا کا شہزادہ اور ولی عہد، جس کے قتل کو جنگ عظیم اوّل کی شروعات کا سبب کہا جاتا ہے۔

جو، ان دیکھے خوف کی وجہ سے، بڑے ہونے سے انکاری ہو۔ میں نے اپنے اردگرد موجود جوڑوں کو دیکھا اور خود کو انتہائی غیر محفوظ پایا؛ میرے چاروں طرف کئی مرد رہتے تھے، اور میں ان تمام کے بیچوں بیچ، اکیلی کھڑی تھی، کوئی بھی میرا ہاتھ تھامنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ یہ بات اپنی جگہ درست تھی کہ میں نے کئی پیغامات رد کئے تھے؛ میں ایسے بہت سے تجربات سے گزری۔ کسی ایسے شخص کے لئے اپنی خواہشات قربان کرنا جو اس کا مستحق ہی نہیں اور اپنے جسم کو ایک گھر کے نام نہاد تحفظ کی خاطر، فروخت کرنا۔ اس زندگی میں، اور اسے دوہرانے کی خواہش کا نہ کرنا۔

میرے ساتھ بیٹھا ہوا شخص فرانز اولاد تھا، جو کھڑکی سے باہر دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔ میں نے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے، لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا؛ اب جبکہ میں اس کے کنٹرول میں تھی، اسے جواب دینے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔ جو کام مجھے کرنا تھا وہ تو مسلسل رقص کرنا ہی تھا، باوجود اس حقیقت کے کہ میرے جسم میں اب پہلے جیسی لچک نہیں رہی تھی۔ لیکن تھوڑی ریاضت کے بعد، اور گھڑسواری کے جنون کی بدولت، میں بہت جلد اپنے پہلے شو کے لئے تیار ہو جاؤں گی۔ فرانس میں اب میرے لئے دلچسپی باقی نہیں رہی تھی؛ اس نے میرے اندر موجود ''بہترین'' کو نچوڑ لیا تھا اور مجھے ایک طرف کر دیا تھا، اب یہ لوگ ان روسی رقاصاؤں کو پسند کرنے لگے تھے جنہوں نے پرتگال، ناروے یا ہسپانیہ جیسے ممالک میں جنم لیا ہو، اور وہ رقاصائیں وہی گُر آزماتی ہیں جو میں نے پیرس آمد پر آزمایا تھا۔ ان لوگوں کے سامنے اپنے وطن سے منسوب کوئی بدیسی چیز پیش کریں، یہ فرانسیسی لوگ، جو ہمیشہ نئی چیز کی تلاش میں رہتے ہیں، اس چیز پر اپنے اعتماد کا اظہار کریں گے۔

تھوڑے ہی عرصے بعد، وہ اسی خواہش کا اظہار دوبارہ کریں گے۔

جیسے ہی ٹرین جرمنی میں داخل ہوئی، میں نے فوجیوں کو مغربی سرحد کی طرف

واں دواں دیکھا۔ وہ بٹالین کی بٹالین تھیں، بڑی بڑی مشین گنیں اور توپیں جنہیں گھوڑے کھینچ رہے تھے۔

میں نے ایک مرتبہ پھر پوچھنے کی کوشش کی: ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

مجھے صرف ایک علامتی سا جواب ملا:

''جو کچھ بھی ہو رہا ہے، مجھے صرف یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ کیا ہم آپ کی مدد پر انحصار کر سکتے ہیں۔ اس وقت فنکار ہمارے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں''۔

وہ جنگ کے بارے میں گفتگو نہیں کر سکا، اور اس کے بارے میں ابھی کچھ شائع بھی نہیں ہوا تھا—فرانس کے اخبارات محفلوں میں ہونے والی حالیہ گپ شپ یا کسی ایسے باورچی کی شکایات کو رپورٹ کرنے میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے جسے کسی سرکاری اعزاز سے محروم کر دیا گیا ہو۔ اگرچہ ہمارے ممالک ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے لیکن ایسی باتیں معمول کی ہی ہوتی تھیں۔

جب کوئی ملک دنیا میں اہم ترین ہو جائے تو اُسے اس بات کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ برطانیہ ایک ایسی سلطنت تھی جہاں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، لیکن آپ کسی سے پوچھیں کہ وہ کون سا شہر دیکھنا پسند کرے گا لندن یا پیرس۔ مجھے یقین ہے کہ جواب میں وہ اسی شہر کا نام لیں گے جو دریائے سین کے کنارے واقع ہے اور جو اپنے دامن میں گرجا گھر، بوتیک، تھیٹر، مصوّر، موسیقار، اور— ذرا انڈر لوگوں کے لئے— دنیا کے مشہور ترین میخانے جیسے فولی بجر، مولن روژ، لیدو، لئے ہوئے ہے۔

آپ کو محض اس بات پر غور کرنا ہے کہ کیا چیز زیادہ اہمیت کی حامل ہے: ایک مینار جس پر ایک دھندلی سی بڑی گھڑی لگی ہوئی ہے اور ایک بادشاہ جو کبھی بھی عوام میں نظر نہیں آتا یا پھر لوہے کا بنا ایک بڑا ڈھانچہ جو دنیا کا سب سے اونچا مینار ہے اور جو پورے یورپ میں، اپنے بنانے والے کے نام سے جانا جاتا ہے، گوستاوے ایفل، یا انتہائی بڑی بڑی عمارتوں

کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جیسے آرک ڈی ٹری،اومف ،اور شونز الیزے جہاں سے ہر وہ بہترین چیز خریدی جا سکتی ہے جسے پیسہ خرید سکتا ہے؟ برطانیہ فرانس سے شدید نفرت کرتا ہے لیکن یہ کوئی ایسی خاص وجہ نہیں کہ جسے بنیاد بنا کر جنگ کی تیاری کی جائے۔

جیسے ہی ٹرین جرمنی کی سرزمین میں داخل ہوئی، فوجی دستوں کے دستے مغرب کی سمت بڑھتے دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے فرانز سے دوبارہ پوچھا اور ایک مرتبہ پھر وہی سرسری سا جواب ملا۔

''میں مدد کرنے کے لئے بالکل تیار ہوں''، میں نے کہا، ''لیکن میں یہ کام کیسے کر سکتی ہوں، اگر مجھے یہ ہی معلوم نہیں ہوگا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟''

پہلی مرتبہ اس شخص نے اپنی تجسس بھری نظروں کو کھڑکی سے ہٹا کر میری طرف دیکھا۔

''مجھے نہیں معلوم، میرا کام تو صرف آپ کو برلن لے کر آنا تھا، تاکہ آپ ہماری اشرافیہ کے سامنے رقص پیش کر سکیں، اور پھر کسی ایک دن — مجھے تاریخ کا صحیح معلوم نہیں — وزارت خارجہ جانا ہے۔ یہ آپ کے ایک چاہنے والے ہیں جنہوں نے مجھے پیسہ دیا کہ میں آپ کی خدمات حاصل کروں، اگرچہ آپ مہنگی ترین فنکارہ ہیں کہ جس سے میں، ملا ہوں، تاہم مجھے امید ہے کہ خطرے والی سرمایہ کاری ہمیں فائدہ پہنچائے گی۔

پیشتر اس کے کہ میں اپنی زندگی کا یہ باب تمہارے سامنے لاؤں، میرے بہت ہی پیارے، اداس وغمگین، مسٹر کلونے! میں اپنے بارے میں کچھ اور بتانا چاہوں گی، کیونکہ، اسی وجہ سے تو میں نے یہ صفحات لکھنا شروع کیے، جواب ایک ریکارڈ کی صورت اختیار کر چکے ہیں، ان میں سے کچھ حصے ایسے ہیں کہ میری یادداشت نے میرا ساتھ نہیں دیا۔

کیا تم بھی حقیقتاً۔ دل سے۔ ایسا ہی سوچتے ہو کہ اگر وہ لوگ جرمنی، فرانس یا روس کے لئے جاسوسی کرنے کی غرض سے کسی شخص کا انتخاب کریں تو وہ کوئی ایسا شخص چنیں گے جسے عوام کی نگاہیں مسلسل دیکھتی ہوں؟ کیا یہ بات تمہیں مضحکہ خیز نہیں لگتی؟

جب میں ٹرین میں بیٹھ کر برلن گئی تو میں سوچ رہی تھی کہ میں اپنے ماضی کو پیچھے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ ہر ایک کلومیٹر گزرنے سے، میں ہر چیز کے تجربے سے دور ہو رہی ہوں، حتیٰ کہ اچھی یادوں سے بھی دور بھاگ رہی ہوں کہ جن کی دریافت سے میں سٹیج پر پرفارم کرنے کے قابل ہوئی، اور وہ لمحات جن میں پیرس کی ہر سڑک اور ہر پارٹی میرے لئے نئی جہت لے کر آئی۔ مجھے اب یہ بات سمجھ آئی کہ میں خود سے بھاگ نہیں سکتی۔ 1914ء میں ہالینڈ واپس آنے کی بجائے، میرے لئے یہ انتہائی آسان تھا کہ میں ایک مرتبہ پھر اپنا نام تبدیل کرتی، کسی ایسے شخص کو تلاش کرتی جو میری بچی کچی روح کی دیکھ بھال کرتا، دنیا میں کسی بھی جگہ چلی جاتی جہاں میرا چہرہ ناشناسا ہوتا اور وہاں از سرنو کام شروع کر دیتی۔

لیکن اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنی بقایا زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتی: ایک

ایسی عورت کی حیثیت سے جو کبھی بھی کچھ ہو سکتی تھی اور ایک ایسی عورت جو کبھی بھی کچھ نہیں تھی، ایک عورت جس کے پاس اپنے بچوں اور پوتے پوتیوں کو سنانے کے لئے ایک کہانی بھی نہ ہوتی۔ اگرچہ، فی الوقت میں ایک قیدی ہوں، میری روح آزاد ہے۔ اب جبکہ ہر شخص ایک نہ ختم ہونے والی جنگ لڑ رہا ہے، محض یہ دیکھنے کے لئے کہ اتنے بڑے خون خرابے کے درمیان کون قائم رہتا ہے، مجھے مزید لڑنے کی ضرورت نہیں، مجھے تو محض انتظار کرنا ہے، ان لوگوں کا جن سے میں کبھی نہیں ملی، کہ وہ یہ فیصلہ کریں: میں کون ہوں: اگر (اب) وہ مجھے گنہگار سمجھتے ہیں، تو ایک دن حقیقت سامنے آ جائے گی اور شرمندگی کی چادر ان کے سروں پر، ان کے بچوں کے سروں پر، ان کے پوتوں کے سروں پر اور ان کے ملک پر پڑ جائے گی۔

میں دل و جان سے اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ ہمارے ملک کے صدر ایک معتبر اور معزز شخص ہیں۔

میں اس بات پر بھی یقین رکھتی ہوں کہ میرے وہ دوست جو اس وقت میرے ساتھ تھے اور میری مدد کرتے تھے جب میرے پاس سب کچھ تھا، اب بھی میرے ساتھ ہیں، جبکہ میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ ابھی ابھی سورج طلوع ہوا ہے، میں پرندوں کے چہچہانے کی، اور کچن سے آنے والی آوازیں سُن سکتی ہوں۔ باقی قیدی سوئے ہوئے ہیں، کچھ خوفزدہ، کچھ اپنی تقدیر کے لکھے پر راضی برضا۔ میں سورج کی پہلی کرن نکلنے تک سوئی تھی، وہ کرن، اگرچہ، میری جیل کوٹھڑی پر تو نہیں پڑتی، لیکن میں آسمان پر اس کی قوت محسوس کر سکتی ہوں، اور یہی کرن مجھے انصاف کی امید بھی دے جاتی ہے۔

میں نہیں جانتی کہ زندگی نے، مختصر سے وقت میں، اتنی زیادہ آزمائشوں سے کیوں گزارا۔

یہ دیکھنے کے لئے کہ میں کٹھن وقت کا مقابلہ کیسے کرتی ہوں؟

یہ دیکھنے کے لئے کہ میں کس چیز کی بنی ہوں؟

مجھے تجربہ دینے کے لئے؟

لیکن ان چیزوں کے حصول کے اور دوسرے طریقے اور راہیں بھی ہوتی ہیں۔ اس کے لئے مجھے اپنی ہی روح کے اندھیرے میں ڈبو دینے کی ضرورت نہیں تھی یا مجھے ایسے جنگل سے گزارنے کی ضرورت نہیں تھی جو بھیڑیوں اور دیگر جنگلی جانوروں سے بھرا پڑا ہوا اور میری راہنمائی کے لئے ایک ہاتھ بھی نہ ہو۔

میں تو صرف ایک بات جانتی ہوں کہ یہ جنگل، چاہے کتنا خوفناک ہی کیوں نہ سہی، کہیں نہ کہیں، ختم ضرور ہوتا ہے، اور میں اس کے دوسرے کنارے پر پہنچنے کا پکا ارادہ کئے ہوئے ہوں۔ جب میں کامیاب ہو جاؤں گی تو فراخدلی کا مظاہرہ کروں گی اور ان لوگوں کو بالکل بھی موردِ الزام نہیں ٹھہراؤں گی جنہوں نے میرے بارے میں بے پناہ جھوٹ بولا۔

کیا تم جانتے ہو کہ میں اس وقت کیا کرنے والی ہوں، پیشتر اس کے کہ میں، برآمدے سے، اپنے لئے ناشتہ لے کر آنے والوں کے قدموں کی آواز سنوں؟ میں رقص کرنے والی ہوں۔ میں ہر سُر اور تال کو یاد کر کے اپنے جسم کو، اس سے، ہم آہنگ کرنے والی ہوں، کیونکہ یہی چیز تو مجھے پہچان کراتی ہے کہ میں ہوں کون — ایک آزاد عورت!

کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس کی میں متلاشی رہی ہوں: آزادی۔ میں نے محبت تلاش نہیں کی، اگرچہ یہ آئی اور چلی گئی۔ محبت ہی کے بل بوتے پر میں نے بہت سے کام کئے، جو میں نہیں کر سکتی تھی اور ان مقامات کی سیر کی جہاں لوگ میرے منتظر رہتے تھے۔

میں اپنی ان کہانیوں کی تفصیل میں نہیں جا رہی؛ زندگی کی رفتار بہت تیز ہے اور میں نے اس سے ہمقدم رہنے کی کوشش کی، اس دن سے جب سے میں برلن میں آئی۔

تھیئٹر کو گھیر لیا گیا۔ انتہائی خاموشی سے دیکھے جانے والے شو میں مداخلت کی گئی، وہ بھی عین اس وقت جب میں، باوجود پریکٹس میں نہ ہونے کے، اپنی بہترین پرفارمنس پیش کر رہی تھی۔ جرمن فوجی سٹیج پر چڑھ دوڑے اور کہا کہ اس کنسرٹ ہال میں ہونے والے پروگرام، مزید احکامات تک، منسوخ کیے جاتے ہیں۔

ان میں سے ایک نے یہ عبارت بلند آواز میں پڑھی:

''ہمارے بادشاہ نے یہ احکامات جاری کیے ہیں: 'ہم اپنی ملکی تاریخ کے سیاہ دور سے گزر رہے ہیں، ہم دشمنوں میں گھر چکے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی تلواریں بے نیام کر لیں۔ مجھے امید ہے کہ ہم انہیں بہتر اور باوقار طریقے سے استعمال کریں گے؛''۔

مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ میں اپنے ڈریسنگ روم گئی، اپنے مختصر سے لباس کے اوپر فوراً گاؤن پہن لیا، اتنے میں فرانز دروازے سے، ہانپتا کانپتا، داخل ہوا۔

''آپ کو فوراً یہاں سے چلے جانا چاہیے ورنہ آپ گرفتار کر لی جائیں گی''۔

''جاؤں؟ اور کہاں جاؤں؟ جبکہ کل صبح مجھے جرمن وزارت خارجہ کے ایک آفیسر نے وقت دیا ہوا ہے؟

''ہر چیز منسوخ ہو چکی ہے''، اس نے اپنی غرض کو چھپائے بغیر کہا، ''آپ خوش قسمت

ہیں کہ آپ کا تعلق ایک غیر جانبدار ملک سے ہے — لہٰذا آپ کو وہیں جانا چاہیے۔''

میں نے زندگی میں ہر چیز سے متعلق سوچا ہے، سوائے اپنے آبائی ملک میں واپس جانے کے، وہ جگہ جس کو چھوڑنا انتہائی مشکل تھا۔

فرانز نے (جرمن) مارک کے نوٹوں کی تھتھی اپنی جیب سے نکالی اور میرے ہاتھ میں تھمادی۔

''اُس چھ ماہ کے معاہدے کو بھول جائیں جو ہم نے میٹروپول تھیٹر کے ساتھ کیا تھا۔ یہ ہی وہ تمام رقم ہے جو میں تھیٹر کی سیف سے نکال سکا ہوں۔ فوراً یہاں سے چل پڑیں۔ میں آپ کے تمام کپڑے، بعد میں، بھجوانے کا بندوبست کر دوں گا، بشرطیکہ میں زندہ بچ جاؤں، کیونکہ آپ کے برعکس مجھے فوج نے بلا بھیجا ہے''۔

مجھے کچھ کچھ سمجھ آنا شروع ہو گیا تھا۔

''دنیا پاگل ہوگئی ہے''، اس نے بھاگنے کے سے انداز میں کہا۔

''کسی بھی رشتہ دار کی موت، چاہے وہ کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو، دیگر لوگوں کو موت کے منہ میں بھیجنے کا کوئی معقول جواز نہیں۔ لیکن یہ جرنیل دنیا پر، اپنی مرضی کے مطابق، حکمرانی چاہتے ہیں، اور اس صورت حال کا تسلسل چاہتے ہیں کہ جو ہم نے ختم نہیں کیا، جب چالیس سال قبل فرانس کو شرمناک شکست ہوئی۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسی زمانے میں رہ رہے ہیں اور انہوں نے اپنے ہی درمیان یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی بے عزتی کا بدلہ لیں۔ وہ فرانس کو طاقتور بننے سے عاجز رکھنا چاہتے ہیں، جبکہ ہر علامت یہ اشارہ دے رہی ہے کہ ہر گزرنے والے دن کے ساتھ یہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے: سانپ کو مار دو پیشتر اس کے کہ یہ بہت طاقتور ہو جائے اور ہمارا گلا گھونٹ دے''۔

''کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ ہم جنگ کی طرف بڑھ رہے ہیں؟ کیا اسی وجہ سے بہت

بڑی تعداد میں، فوجی ایک ہفتہ قبل سفر کر رہے تھے؟''

''جی بالکل۔ شطرنج کا کھیل اب پیچیدہ ہو گیا ہے کیونکہ ہمارے حکمران اتحاد کے بندھن میں بندھ چکے ہیں۔ اس کی وضاحت کرنا میرے لئے تھکا دینے والا کام ہے۔ اب جس وقت ہم یہ گفتگو کر رہے ہیں ہماری افواج بیلجیم پر قبضہ کر رہی ہیں، لگزمبرگ پہلے ہی ہتھیار ڈال چکا ہے، اور اب وہ فرانس کے صنعتی علاقوں کی طرف بڑھ رہے ہیں، اور یہ ہماری فوج کے بہترین، اسلحہ سے لیس، سات ڈویژن ہیں۔ جب فرانسیسی اپنی زندگیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے، ہم لوگ بہانے تلاش کر رہے تھے۔ جب فرانسیسی ایفل ٹاور تعمیر کر رہے تھے، ہمارے لوگ توپوں میں سرمایہ کاری کر رہے تھے۔ میرا نہیں خیال کہ یہ صورت حال دیر تک برقرار رہے؛ دونوں طرف کے کچھ لوگوں کے مارے جانے کے بعد، امن کی جیت ہو گی۔ لیکن اس وقت تک آپ کو اپنے آبائی ملک میں ہی پناہ لینی پڑے گی تاوقتیکہ حالات بہتر ہو جائیں''۔

فرانز کے الفاظ میرے لئے حیران کن تھے، وہ شخص واقعی میری بہتری چاہتا تھا۔ میں اس کے قریب آئی اور اس کے چہرے کو چھُو لیا۔

''گھبرانے کی ضرورت نہیں، ہر چیز درست ہو جائے گی''۔

''حالات ٹھیک نہیں ہوں گے''، فرانز نے، میرا ہاتھ ایک طرف کرتے ہوئے کہا، ''اور جو چیز میں کرنا چاہ رہا تھا وہ ہمیشہ کے لئے کھو جائے گی''۔

اس نے میرا ہاتھ تھام لیا، جسے اس نے بری طرح جھٹک دیا تھا۔

''جب میں نوجوان تھا تو میرے والدین نے مجھے پیانو سیکھنے کے لئے کہا۔ مجھے اس (ساز) سے نفرت تھی، اور جیسے ہی میں نے گھر چھوڑا، میں اسے بالکل ہی بھول گیا، سوائے ایک چیز کے: دنیا کی سب سے خوبصورت دھن بھی بھیانک لگتی ہے اگر اس کے تار بے سُرے ہوں''۔

''جب میں ویانا تھا اور اپنی لازمی فوجی سروس مکمل کر رہا تھا، اس دوران ہمیں دو دن کی چھٹی ملی۔ میں نے پوسٹر پر ایک لڑکی کی تصویر دیکھی، جس نے، باوجود اس بات کہ میں نے اسے اپنی نظروں کے سامنے نہیں دیکھا تھا، فوراً ہی میرے اندر وہ کیفیت پیدا کر دی، جو کسی مرد میں شاید ہی پیدا ہوتی ہے: پہلی نظر میں محبت۔ جب میں تھیٹر میں داخل ہوا تو وہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا، میں نے ٹکٹ خریدی، جس کی قیمت میری ایک ہفتے کی آمدن کے برابر تھی، پھر میں نے یہ محسوس کیا کہ میرے اندر کی جو بھی ٹوٹ پھوٹ تھی— میرے اپنے والدین سے تعلقات، فوج، میرا ملک، یہ دنیا— اچانک ہی ہم آہنگ ہو گئی محض اس لڑکی کا رقص دیکھ کر، یہ نہ تو پُرشہوت موسیقی تھی، نہ ہی سٹیج پر ہونے والی نیم عریانی، نہ تماشائی، یہ صرف اور صرف لڑکی کی ایک جھلک کا نتیجہ تھا''۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ کسی لڑکی سے متعلق گفتگو کر رہا تھا، لیکن میں گفتگو میں مُخل نہ ہوئی۔

''وہ لڑکی آپ تھیں، مجھے یہ بات آپ کو پہلے بتا دینی چاہیے تھی، لیکن میں سوچتا تھا کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ آج میں ایک کامیاب تھیٹر منیجر ہوں، شاید اس وجہ سے کہ اس رات میں نے ویانا میں جو کچھ دیکھا، کل میں اپنی یونٹ کے انچارج کیپٹن کو رپورٹ کروں گا۔ میں آپ کے شوز دیکھنے کی غرض سے کئی بار پیرس گیا ہوں۔ میں نے یہ محسوس کیا، قطع نظر اس بات کے کہ آپ نے جو کچھ بھی کیا، کہ ماتا ہری ایسی شعبدہ بازوں کے سامنے اپنا مقام کھو رہی ہے جو 'رقاصہ' یا 'فنکارہ' کہلوانے کے اہل بھی نہیں۔ لہٰذا میں نے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو ایک ایسی جگہ لے آؤں جہاں لوگ آپ کے فن کو سراہیں؛ اور میں نے یہ سب کچھ عشق کی خاطر کیا، محض عشق کے لئے......ایک بے لوث عشق، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ جو اصل بات ہے وہ یہ کہ آپ اس کے قریب ہو جائیں جس سے عشق کرتے ہیں؛ میرا مقصد صرف یہی تھا''۔

''ایک دن جب میں نے پیرس میں آپ تک پہنچ جانے کی ہمت کی، تو سفارت خانے کے ایک آفیسر نے مجھ سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ تم ایک ایسے شخص سے میل ملاپ رکھتی ہو جو ڈپٹی ہے اور ہماری خفیہ ایجنسی کے مطابق، اگلا وزیر جنگ ہوگا''۔

''لیکن اب یہ کام ہو چکا''۔

''ہماری خفیہ ایجنسی کے مطابق وہ اپنے سابقہ عہدے پر واپس آئے گا۔ میں سفارت خانے کے اس آفیسر سے پہلے بھی، کئی بار مل چکا تھا۔ ہم لوگ مے نوشی کرتے اور پیرس کی رنگین راتوں میں اکٹھے ہی پھرتے تھے۔ ایک رات میں نے زیادہ چڑھا لی اور آپ سے متعلق کئی گھنٹے گفتگو کی۔ وہ جانتا تھا کہ میں آپ کے عشق میں گرفتار ہوں، اس شخص نے ہی مجھے آپ کو یہاں لانے کا کہا تھا، کیونکہ ہمیں، بہت جلد، آپ کی خدمات کی ضرورت پڑنا تھی''۔

''میری خدمات؟''

''ایک ایسی شخصیت کی حیثیت سے جسے حکومتی حلقوں تک رسائی حاصل ہو''۔

وہ شخص جو لفظ استعمال کرنا چاہ رہا تھا لیکن اس لفظ کو ادا کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی، وہ لفظ تھا ''جاسوس''۔ ایک ایسا کام جو میں اپنی ساری زندگی میں نہ کروں۔ جیسا کہ، مجھے یقین ہے، قابل احترام مسٹر کلونے! آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنے مقدمے کی سماعت کے دوران کہا تھا: ''ایک کسبی، ہاں۔ ایک جاسوس، کبھی نہیں!''

''اسی وجہ سے آپ کو فوراً اس تھیٹر سے جانا ہوگا اور آپ سیدھی ہالینڈ چلی جائیں۔ جو رقم میں نے آپ کو دی ہے وہ آپ کی ضروریات سے زائد ہے۔ کچھ دیر بعد آپ کے لئے یہ سفر کرنا ناممکن ہو جائے گا۔ یا اس سے بھی زیادہ خوفناک بات یہ ہوگی، کہ اگر اب تک ایسا ممکن ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ ہم نے کسی نہ کسی کو پیرس میں گھسا دیا ہے''۔

میں بہت خوفزدہ ہوگئی تھی، لیکن اتنی بھی نہیں کہ اُسے بوسہ نہ دے سکوں یا اس کا شکریہ نہ ادا کرسکوں کہ وہ جو کچھ میرے لئے کررہا تھا۔

میں اس سے جھوٹ بولنا ہی چاہتی تھی یہ کہہ کر کہ میں جنگ کے اختتام تک تمہارا انتظار کررہی ہوں، لیکن سچ کے اندر جھوٹ کو زائل کرنے کا طریقہ ہے۔

پیانو کی آواز بند نہیں ہونی چاہیے۔ حقیقی گناہ اس سے بالکل مختلف ہے جو ہمیں بتایا گیا ہے؛ حقیقی گناہ کامل ہم آہنگی سے دور رہنا ہے۔ یہ ان جھوٹ اور سچ سے زیادہ طاقتور ہے جو ہم ہر روز بولتے ہیں۔ میں اس کی طرف مُڑی اور اسے وہاں سے جانے کا کہا کہ مجھے کپڑے بدلنے ہیں، اور میں نے کہا:

"گناہ خداوند نے تخلیق نہیں کیا؛ یہ ہمارے بنائے ہوئے ہیں، جب ہم نے یہ کوشش کی کہ ہم اس چیز کو تبدیل کردیں جو کسی داخلی شے کے لئے ناگزیر تھی۔ ہم نے کُل کو دیکھنا تھا لیکن ہم صرف ایک حصہ ہی دیکھ سکے؛ اور وہ حصہ ندامت، اصول، نیکی بمقابلہ بدی، اور دونوں طرف کے لوگوں کا خود کو درست سمجھنا"۔

میں نے خود کو اپنے ہی الفاظ سے حیران کردیا۔ شاید خوف نے مجھے میری سوچ سے زیادہ متاثر کردیا تھا۔ لیکن میرے دماغ نے بہت دور کا سوچا۔

"میرا ایک دوست ہے جو آپ کے ملک میں جرمن قونصل ہے۔ وہ آپ کو دوبارہ آپ کے پیروں پر کھڑا کرسکتا ہے۔ لیکن آپ نے ہوشیار رہنا ہے، وہ کوشش کرے گا کہ آپ ہماری جنگ کی کاوشوں میں مدد کریں"۔

ایک مرتبہ پھر اس نے لفظ "جاسوس" سے گریز کیا۔ میں خاصی تجربے کار عورت تھی جو اس طرح کے شکنجوں سے جان چھڑوا سکتی تھی۔ میں نے مردوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں ایسا کتنی مرتبہ کیا ہے؟

وہ مجھے دروازے کی طرف لے گیا، وہاں سے سٹیشن پر پہنچا دیا۔ راستے میں ہم نے بادشاہ کے محل کے سامنے ایک بڑا مظاہرہ دیکھا، جہاں ہر عمر کے افراد موجود تھے، وہ ہوا میں لہرا کر نعرے لگا رہے تھے:

''سب سے عظیم جرمنی!''

فرانز نے کار تیز دوڑائی۔

''اگر ہمیں کوئی روکتا ہے تو آپ نے بالکل خاموش رہنا ہے، میں تمام تر معاملات سنبھال لوں گا۔ لیکن اگر وہ آپ سے کچھ پوچھتے ہیں تو آپ نے محض 'ہاں' یا 'ناں' میں جواب دینا ہے۔ اکتائے ہوئے نظر آنا ہے اور کبھی بھی دشمن کی زبان بولنے کی کوشش نہیں کرنی۔ جب آپ سٹیشن پہنچ جائیں، تو اپنے چہرے پر خوف کے آثار لے کر مت آنا، کسی بھی صورت حال میں؛ آپ وہی بتائیں جو آپ ہیں''۔

لیکن میں ہوں کون؟ میں اپنے بارے میں سچ کیسے بول سکتی تھی جبکہ میں بالکل بھی نہیں جانتی تھی کہ میں کون ہوں؟ وہ رقاصہ جس نے یورپ میں طوفان برپا کر دیا تھا؟ وہ خاتونِ خانہ جس نے ڈچ شرق الہند میں خود کی توہین کی تھی؟ طاقتور افراد کی محبوبہ؟ وہ عورت جسے پریس نے ''بیہودہ فنکارہ'' کہا، باوجود اس کے کہ، کچھ عرصہ قبل ہی اسے ایک مثال بنا کر اس کی تعریف کی جاتی تھی؟

ہم سٹیشن پہنچ گئے تھے۔ فرانز نے میرے ہاتھ کا ایک بوسہ لیا اور مجھے کہا کہ میں پہلی ہی ٹرین سے روانہ ہو جاؤں۔ یہ زندگی میں پہلی مرتبہ تھا کہ میں نے بغیر سامان کے سفر کیا تھا؛ حتیٰ کہ جب میں (پہلی مرتبہ) پیرس آئی تھی تب بھی میرے پاس کچھ سامان تھا۔

یہ بات بعید از قیاس دکھائی دیتی ہے کہ اس سفر نے مجھے آزادی کا بے پناہ احساس دیا۔ بہت جلد میرے کپڑے میرے پاس ہوں گے، لیکن اس وقت تک، میں ایک ایسا کردار نبھا رہی تھی جو زندگی نے مجھے دے دیا تھا: ایک ایسی عورت کا کردار جس کے پاس کچھ

بھی نہیں تھا، ایک ایسی شہزادی جو اپنے قلعے سے دور ہو، محض اس حقیقت سے ہمت باندھتی ہوئی کہ وہ جلد ہی واپس چلی جائے گی۔

ایمسٹرڈیم کے لئے ٹکٹ خریدنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ٹرین روانہ ہونے میں چند گھنٹے باقی ہیں۔ باوجود حوصلہ مند نظر آنے کی کوشش کرتے ہوئے، میں نے یہ بات بھی نوٹ کی کہ ہر شخص میری طرف دیکھ رہا ہے، لیکن یہ دیکھنا بھی عجیب ہی نوعیت کا تھا — رشک یا تعریف سے نہیں بلکہ تجسس بھرا۔ پلیٹ فارم لوگوں سے بھرے ہوئے تھے اور، میرے علاوہ، ہر شخص ایسا دکھائی دے رہا تھا کہ اس نے اپنے گھر کا سارا سامان ہی اپنے سوٹ کیس، بنڈل اور قالین کے بیگوں میں بھرا ہوا ہے۔ میرے کان میں ایک آواز پڑی، جیسا کہ فرانز نے مجھے بتایا تھا، ایک ماں اپنی بیٹی کو سمجھا رہی تھی:

"اگر کوئی گارڈ آئے تو جرمن زبان میں گفتگو کرنا"۔

یہ ایسے لوگ تو دکھائی نہیں دے رہے تھے جو دیہاتوں کا رُخ کر رہے ہوں، ممکنہ طور پر "جاسوس" تھے، پناہ گزین جو اپنے اپنے ملکوں کی طرف واپس جا رہے تھے۔

میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں کسی سے ہمکلام نہیں ہوں گی اور نہ ہی کسی سے نظریں ملاؤں گی، اس تمام کے باوجود ایک بوڑھا شخص میرے قریب آیا اور کہا: "کیا تم ہمارے ساتھ رقص کرنا پسند کرو گی؟"

کیا وہ مجھے پہچان گیا تھا؟

"آ جاؤ! ہم لوگ پلیٹ فارم کے آخری حصے پر کھڑے ہیں"۔

میں، بغیر سوچے سمجھے اس کے پیچھے پیچھے چل دی، اس بات کو سمجھتے ہوئے کہ بہتر ہو گا کہ میں انجان لوگوں میں گھل مل جاؤں۔ پھر میں نے خود کو خانہ بدوشوں میں گھرا ہوا پایا، فوراً اپنا پرس اپنے جسم کے قریب کر لیا۔ ان کی آنکھوں میں خوف تو تھا، لیکن وہ اس خوف کو اپنے اوپر طاری کئے ہوئے نہیں تھے کیونکہ وہ اس بات کے عادی تھے کہ اپنے جذبات کے اظہار

میں تبدیلی لا سکیں۔ تالیاں بجاتے ہوئے، انہوں نے ایک دائرے کی شکل بنالی تھی، اور تین خواتین بیچ میں رقص کر رہی تھیں۔

''کیا تم بھی رقص کرنا پسند کروگی؟'' اس شخص نے دوبارہ پوچھا جو مجھے وہاں لے کر گیا تھا۔

میں نے کہا کہ میں نے زندگی میں کبھی رقص نہیں کیا۔ اس نے اصرار کیا لیکن میں نے پھر وہی وضاحت بیان کی، اگر میں کوشش بھی کرتی تو میرا لباس مجھے اس بات کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ وہ مطمئن ہو گیا، اس نے تالیاں بجانی شروع کر دیں اور مجھے بھی تالیاں بجانے کا کہا۔

''ہم لوگ بالکنز کے روما ہیں''، اس نے بتایا۔

''جو کچھ میں نے سُنا ہے، اس کے مطابق جنگ ہمارے ہی خطے سے شروع ہوئی ہے، جتنی جلدی ہو سکے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے''۔

میں اسے اس بات کی وضاحت کرنے ہی والی تھی کہ جنگ بالکنز سے شروع نہیں ہوئی، اور ایسا کرنا تو محض اس بارود کو آگ دکھانے کے مترادف ہے جو بارود کئی سالوں سے پھٹنے کے لئے تیار تھا۔ لیکن میرے لئے اپنا منہ بند رکھنا ہی بہتر تھا، جیسا کہ فرانز نے مجھے سمجھایا تھا۔

''......لیکن یہ جنگ بھی اپنے اختتام کو پہنچے گی''، سیاہ بالوں اور سیاہ آنکھوں والی ایک عورت بولی جو اپنے سادہ سے لباس کے باوجود بھی بہت حسین دکھائی دے رہی تھی۔ ''تمام کی تمام جنگیں ختم ہو جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ، مرنے والے لوگوں کی بدولت فائدہ اٹھائیں گے، اور، اس دوران، ہم لوگ اپنا سفر جاری رکھیں گے، لڑائی جھگڑوں اور تنازعات سے دور کی طرف جبکہ تنازعات ہمیں اپنے پیچھے آنے کا کہتے رہیں گے''۔

قریب ہی کچھ بچے کھیل میں مصروف تھے، کہ جیسے سفر کرنا ہمیشہ سے ایک مہم ہے، اور

ان کے لئے اور کوئی چیز اہم نہیں تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اژدھے ہمیشہ برسرپیکار رہتے ہیں اور سورما، آہنی لباس پہن کر، بڑے بڑے نیزوں سے لیس ہو کر، ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ یہ ایک ایسی دنیا ہے جہاں، اگر ایک بچہ دوسرے کے پیچھے نہ بھاگے تو یہ ایک بنجر اور اداس جگہ بن جائے۔

وہ خانہ بدوش خاتون جو مجھ سے ہمکلام ہوئی تھی، وہ ان بچوں کے پاس گئی اور انہیں خاموش ہو جانے کا کہا، کیونکہ انہیں اتنا نمایاں نہیں ہونا چاہیے، کسی نے بھی اس بات پر توجہ نہیں دی۔

ایک بھکاری، جس کے بارے میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ سڑک سے گزرنے والے ہر راہگیر کو جانتا ہے، کچھ اس طرح گنگنا رہا تھا:

قیدی پرندہ آزادی کے گیت تو گا سکتا ہے، مگر وہ قید میں ہی رہے گا تھیا[1] نے پنجرے میں رہنا قبول کیا، پھر فرار ہونا چاہا، کسی نے بھی مدد نہیں کی، کیونکہ کسی کو یہ بات سمجھ ہی نہ آئی تھی۔

مجھے بالکل بھی معلوم نہیں تھا کہ تھیا کون ہے؛ مجھے تو صرف یہ معلوم تھا کہ مجھے، جتنی جلدی ہو سکے، قونصلیٹ سے رابطہ کرنا تھا تاکہ میں اپنا تعارف کارل کریمر سے کرواؤں، یہ وہ واحد شخص تھا جسے میں پورے ہیگ شہر میں جانتی تھی۔ میں نے ایک تیسرے درجے کے ہوٹل میں رات گزاری تھی، اس خوف سے کہ کہیں کوئی مجھے پہچان لے اور یہاں سے نکال باہر کرے۔ ہیگ ایسے لوگوں سے بھرا ہوا تھا، جن کے بارے میں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کسی اور سیارے میں رہ رہے تھے۔ بظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ جنگ کی خبریں بھی اس شہر تک نہیں پہنچیں، وہ لوگ جو ملکی سرحد پر پھنسے ہوئے تھے، ان کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں پناہ گزیں، مفرور، فرانسیسی شہری جنہیں انتقامی کارروائیوں کا خطرہ ہے اور میدان جنگ کے قریبی علاقوں سے بھاگتے ہوئے بیلجیم کے شہری، یہ تمام لوگ کسی ناممکن چیز کا انتظار کر رہے تھے۔

(1) "Thea" یونانی دیومالا میں ایک دیوی کا نام، مجازاً خوبصورت عورت کو کہا جاتا ہے۔

زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے لیوواردن میں پیدا ہونے اور ڈچ پاسپورٹ کا حامل ہونے پر خوشی محسوس ہوئی۔ میرا ڈچ پاسپورٹ میرے لئے بچاؤ کا ذریعہ تھا۔ میں تلاشی لئے جانے کے لئے انتظار کر رہی تھی ___ اور اس بات پر بھی خوش تھی کہ میرے پاس سامان نہیں تھا۔ کہ ایک شخص، جسے میں نے اچھی طرح بھی نہیں دیکھا تھا، نے مجھے ایک لفافہ تھما دیا۔ لفافے پر کسی کو مخاطب کیا گیا تھا،

بارڈر پر موجود آفیسر انچارج نے یہ منظر دیکھ لیا تھا۔ اس نے لفافے سے خط نکالا، دوبارہ لفافے میں ڈالا اور بغیر تبصرہ کئے، مجھے تھما دیا۔ اس کے فوراً بعد اس نے اپنے جرمن ساتھی آفیسر کو بلایا، اس شخص کی طرف اشارہ کیا، جو اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر وہاں سے غائب ہو گیا تھا:

''مفرور''۔

جرمن آفیسر اس شخص کے پیچھے دوڑا؛ جنگ بالکل شروع ہی ہوئی تھی اور لوگ نکلنا شروع ہوئے تھے؟ میں نے دیکھا کہ آفیسر نے اپنی رائفل سیدھی کی اور دوڑتے ہوئے شخص کا نشانہ باندھ لیا۔ جب اس نے فائر کیا تو میں دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔ میں اپنی باقی ماندہ زندگی یہ سوچ کر گزارنا چاہتی تھی کہ وہ شخص بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

خط ایک عورت کے نام لکھا گیا تھا اور میرا خیال ہے کہ وہ شخص یہ سوچ رہا ہوگا کہ میں ہیگ پہنچنے کے بعد اس خط کو لیٹر بکس میں ڈال دوں گی۔

''میں یہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاؤں گا، چاہے مجھے اس کی کوئی بھی قیمت چکانی پڑے۔ اگرچہ وہ قیمت میری جان ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اگر مجھے راستے میں پکڑ لیا تو وہ مجھے ایک مفرور یا بھگوڑا سمجھ کر مار دیں گے۔ لگ رہا ہے کہ اب جنگ شروع ہوا چاہتی ہے؛ فرانسیسی دستے دوسری سرحد پر نمودار ہو چکے ہیں، انہیں محض، کیپٹن کے احکامات

کی بجا آوری کے تحت کی جانے والی، ایک مرتبہ کی، گولیوں کی بوچھاڑ سے صفحہ ہستی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ فرض کریں کہ اس (جنگ) کا اختتام جلد ہو جاتا ہے، پھر بھی میرے ہاتھ خون سے رنگے ہوں گے اور میں اس قابل نہیں ہوں گا کہ میں وہ کام کروں جو میں، پہلے ہی، دو مرتبہ کر چکا ہوں؛ میں اپنی بٹالین کے ساتھ پیرس کی طرف پیش قدمی نہیں کر سکتا، اس بات کو ہر شخص تفریحی انداز میں دیکھتا ہے۔ میں ان فتوحات کا جشن نہیں منا سکتا جو میرے منتظر ہیں، کیونکہ یہ سب کچھ حماقت ہے۔ میں جتنا زیادہ سوچتا چلا جاتا ہوں مجھے اتنا ابہام ہوتا ہے، کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ کوئی کچھ بھی نہیں بتا رہا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ کسی کے پاس بھی اس بات کا جواب نہیں"۔

تاہم یہ بات ناقابل یقین ہے کہ ابھی تک ڈاک کا نظام فعال ہے۔ میں اسی کو اپنے استعمال میں لاتا، لیکن جو کچھ میں نے سُنا ہے اس کے مطابق ہر قسم کی ڈاک، روانہ کئے جانے سے پہلے سنسر کے مرحلے سے گزرتی ہے۔ اس خط کا مقصد تمہیں، محض یہ بتانا نہیں کہ میں تم سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔ تم بخوبی اس بات سے آگاہ ہو۔ نہ ہی اپنے سپاہیوں کی بہادری کا تذکرہ کرنا ہے، اس حقیقت سے پورا جرمنی واقف ہے۔ یہ خط میری وصیت اور "احکام" ہے۔ میں یہ خط اسی درخت کے سایے میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں، جہاں، آج سے چھ ماہ قبل، میں نے تمہارا ہاتھ شادی کے لئے مانگا تھا اور تم نے حامی بھر لی تھی۔ ہم نے مستقبل کے لئے منصوبے بھی بنائے تھے، تمہارے والدین جہیز کے ذریعے ہماری مدد کریں گے، میں ایسا گھر تلاش کر رہا تھا جس میں ایک اضافی کمرہ ہو،

جہاں ہمارا پہلا بیٹا پیدا ہو، جس کے لئے میں کافی دنوں سے انتظار میں ہوں۔ لیکن اب میں واپس اسی جگہ موجود ہوں، مجھے خندقیں کھودتے ہوئے تین دن گزر گئے ہیں، میں سر سے پیر تک مٹی اور گارے سے لتھڑا ہوا ہوں اور میرے ہاتھ پانچ یا چھ لوگوں کے خون میں بھی رنگے ہوئے ہیں، کہ جنہوں نے مجھے کوئی آزار نہیں پہنچایا تھا۔ یہ لوگ اسے ''محض ایک جنگ'' کا نام دیتے ہیں، جس میں ان کی ناموس کی حفاظت ہو سکے کہ جیسے میدان جنگ اسی کام کی کوئی جگہ ہو۔

جیسے ہی میں نے، اپنی داغی ہوئی، ابتدائی گولیاں دیکھیں اور مارے جانے والے لوگوں کے خون کی بو سونگھی، میں اس بات کا قائل ہو گیا کہ انسانی ناموس، کم از کم، اس چیز کے ساتھ قائم نہیں کی جا سکتی۔ مجھے اب یہ سلسلہ ختم کر دینا چاہیے کیونکہ انہوں نے مجھے بلا بھیجا ہے، جیسے ہی سورج غروب ہو گا تو میں جا رہا ہوں گا — ہالینڈ کی طرف یا اپنی موت کی طرف۔ میرا خیال ہے کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ میں یہ بتانے سے قاصر ہوتا چلا جاؤں گا کہ صورت حال کیا ہے۔ لہٰذا، میں نے یہ بات مناسب سمجھی کہ آج رات یہاں آؤں اور کسی اچھے انسان کو یہ لفافہ پوسٹ کرنے کے لئے دے دوں۔

تمام تر محبت کے ساتھ،

جارن۔

جیسے ہی میں ایمسٹرڈیم پہنچی تو قسمت کا کرنا یوں ہوا کہ مجھے اپنا، پیرس والا، ہیئر ڈریسر نظر آ گیا، وہ یونیفارم پہنے، پلیٹ فارم پر کھڑا تھا۔ اس کو اپنے فن میں کمال حاصل تھا، وہ عورتوں کے بالوں میں مہندی اس طرح لگاتا تھا کہ وہ رنگ قدرتی اور جاذب نظر دکھائی دیتا تھا۔

''وان سٹین!''

وہ میری آواز سن کر متوجہ ہوا، اس کے چہرے پر سراسیمگی چھا گئی، وہ فوراً مڑا اور چلنا شروع کر دیا۔

''موریس، یہ میں ہوں، ماتا ہری!''

اس نے تیزی سے چلنا شروع کر دیا۔ مجھے بہت غصہ آیا۔ ایک ایسا شخص جسے میں ہزاروں فرانکس ادا کر چکی تھی، وہ اب مجھ سے دور کیوں بھاگ رہا تھا؟ میں نے اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیا، اس کی رفتار تیز ہو گئی، میں نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی، اس نے بھاگنا شروع کر دیا، ایک شخص نے یہ سارا منظر دیکھ لیا تھا، اس نے بھاگتے ہوئے شخص کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور کہا، ''وہ خاتون تمہیں بلا رہی ہے!''

اسے مجبوراً رُکنا پڑا، اس نے میرے پہنچ جانے کا انتظار کیا۔ اس نے دھیمی آواز میں مجھے بتایا کہ میں اسے اس کے نام سے نہ پکاروں۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

اس نے بتایا کہ جنگ کے ابتدائی دنوں میں، اس نے حُب الوطنی کے جذبات سے سرشار ہو کر، اپنے ملک بیلجیم کا دفاع کرنے کے لئے، خود کو پیش کر دیا۔ لیکن جونہی اس نے (محاذ جنگ پر) توپوں کی آواز سنی تو وہ خوفزدہ ہو کر ہالینڈ بھاگ آیا اور یہاں پناہ لے لی اور لوگوں کی نفرت سے بچنے کے لئے بہروپ بھر لیا۔

''میں چاہتی ہوں تم میرے بالوں کا سنگھار کر دو''۔

دراصل میں اپنے سامان کے پہنچنے تک اپنا رکھ رکھاؤ بحال کرنا چاہتی تھی۔ فرانز نے جو رقم مجھے دی تھی وہ ایک یا دو مہینے کے لئے کافی تھی اور میں پیرس لوٹ جانے کا بھی سوچ رہی تھی۔ میں نے پوچھا کہ مجھے عارضی طور پر کہاں قیام کرنا چاہیے، کیونکہ یہاں بھی میرا کوئی ایک دوست ہو جو حالات درست ہونے تک میری مدد کر سکے۔

ایک سال گزرنے کے بعد بھی میں ہیگ میں ہی مقیم تھی، جس کے لئے میں اپنے اس بینکار دوست کی شکر گزار تھی جس سے میری ملاقات پیرس میں ہوئی تھی۔اس نے مجھے کرایے کا مکان لے کر دیا تھا جہاں وہ مجھ سے ملاقات کرنے آتا تھا۔ایک نہج پر پہنچ کر اس نے کرایہ ادا کرنا چھوڑ دیا تھا جس کی اس نے کوئی خاص وجہ نہیں بتائی تھی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ میرے ذوق شوق سے تنگ آ گیا تھا، جس کا اظہار اس نے ایک مرتبہ کر ہی دیا تھا، اس کے بقول میرے تمام شوق ''مہنگے اور فضول خرچی'' پر مبنی ہیں۔اس کے جواب میں، میں نے اسے کہا، ''فضول خرچ تو وہ مرد ہے جو مجھ سے دس سال بڑا ہے اور اپنی کھوئی ہوئی جوانی کو عورت کے جسم میں تلاش کرتا ہے''۔

اس نے میرے جواب کو اپنی بے عزتی سمجھ لیا— جو میرا مقصد تھا— اور مجھے گھر چھوڑنے کا کہہ دیا۔ ہیگ تو پہلے بھی ایک ویران سی جگہ تھی جب میں نے اپنے بچپن میں اسے دیکھا تھا؛ اب ایک محدود پیمانے پر دستیاب چیزوں کے ساتھ، رات کی سرگرمیوں کے بغیر اور ہمسایہ ممالک میں شروع ہونے والی جنگ کے خوف سے— یہ بوڑھے لوگوں کی پناہ گاہ کا سا منظر پیش کر رہا تھا، جاسوسوں کا جال اور ایک بڑا میکدہ جہاں زخمی فوجی اور مفرور افراد، اپنا غم غلط کرنے کے لئے جام چڑھاتے تھے، جس کا عمومی نتیجہ موت ہی ہوتا تھا۔میں نے کوشش کی کہ میں تھیٹر میں اپنی پرفارمنس کی سیریز شروع کروں جس میں قدیم مصری رقص پیش کیا جائے— کیونکہ کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ مصر کے قدیم لوگ کس قسم کا رقص کرتے

تھے اور ناقدین اس کے محکم ہونے پر کسی قسم کا شک نہیں کر سکتے تھے، اور میں باآسانی اسے پیش کر سکتی تھی۔ لیکن (ان دنوں) تھیٹروں میں حاضرین کی تعداد مایوس کن ہونے کی وجہ سے کسی شخص نے بھی میری تجویز قبول نہیں کی۔

پیرس ایک دُور کے خواب کی طرح تھا۔ لیکن یہ میری زندگی کا، صحیح معنوں میں، قطب شمالی ہے، وہ واحد شہر جہاں میں خود کو ایک ذی روح اور، اپنے تمام تر معانی کے ساتھ، انسان محسوس کرتی تھی۔ جہاں مجھے ہر چیز کرنے کی اجازت تھی، وہ کام بھی جو قابل قبول ہوں اور وہ بھی جو گناہ ہوں۔ وہاں کے بادل بھی مختلف تھے، لوگ بڑے باوقار انداز سے چلتے تھے، اور وہاں کی جانے والی گفتگو، ہیگ کے ہیئر سیلونز میں کی جانے والی بور گفتگو کی نسبت، ایک ہزار گنا بہتر ہوتی تھی، یہاں (ہیگ) کے لوگ بمشکل ہی بول پاتے ہیں، اس خوف سے کہ ان کی گفتگو سن لی جائے گی اور پولیس کو رپورٹ ہو جائے گی اور ان پر الزام لگ جائے گا کہ وہ اپنے ملک کے غیر جانبداری کے تاثر کو خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سرسری طور پر، میں نے موریس وین سٹین کے بارے میں معلومات لینے کی کوشش کی۔ میں نے اپنی ان کلاس فیلوز سے، اس شخص کے بارے میں پوچھا، جو ایمسٹرڈیم منتقل ہو چکی تھیں، ان کے بقول وہ شخص، بالوں میں مہندی لگانے کی تکنیک اور اپنے مصنوعی اور مزاحیہ فرانسیسی لہجے کے ساتھ، روئے زمین سے غائب ہو گیا تھا۔

اب میرے پاس صرف ایک ہی راستہ بچا تھا، کہ میں جرمنوں سے کہتی کہ وہ مجھے پیرس پہنچا دیں۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ میں فرانز کے دوست سے ملوں، پہلے اسے ایک نوٹ لکھ کر بھیجوں کہ میں کون ہوں اور اس میں درخواست کروں کہ مجھے اس شہر میں واپس بھجوانے کا بندوبست کریں، جو میرا خواب ہے اور جہاں میں نے زندگی کا بڑا حصہ گزارا۔ میں نے، ہالینڈ قیام کے دوران اپنا وزن بڑھا لیا تھا، اب میں اسے کم کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی؛

میرے کپڑے ہالینڈ نہیں پہنچ سکے تھے، اور اگر اب وہ پہنچ بھی جاتے تو مجھے خوشی نہ ہوتی۔ میگزین کی معلومات کے مطابق فیشن تبدیل ہو گیا تھا، لہٰذا میرا ''سرپرست'' میرے لئے نئے کپڑے لے کر آیا تھا، اگرچہ وہ اعلیٰ معیار کے تو نہیں تھے مگر ان کپڑوں کی سلائی، پہلی بار پہننے میں، چاک نہیں ہوئی تھی۔

جب میں دفتر میں داخل ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس شخص کے چاروں طرف ایسی شاندار اشیاء موجود تھیں جو ڈچ لوگوں کی دسترس میں نہیں: غیر ملکی سگریٹ اور سگار، یورپ کے چاروں کونوں سے منگوائی گئی (تہواروں میں پیش کی جانے والی) شراب، پنیر، بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے جنہیں شہر کی مارکیٹوں میں راشن کے طور پر دستیاب کیا گیا تھا۔ مہوگنی کی لکڑی سے بنے ڈیسک پر زردوزی کے کام والا کور تھا اور اس کے پیچھے، ایک خوش لباس شخص بیٹھا ہوا تھا، میں اس وقت تک جتنے جرمن افراد سے ملی تھی، میں نے ایسا مہذب شخص نہیں دیکھا تھا۔ ہمارے درمیان خوشگوار گفتگو ہوئی، پھر اس نے پوچھا کہ میں اس سے ملنے اتنی دیر سے کیوں آئی تھی۔

''میں نہیں جانتی تھی کہ آپ میرا انتظار کر رہے تھے۔ فرانز......''

''اس نے مجھے ایک سال پہلے بتایا تھا کہ آپ آئیں گی''۔

وہ کھڑا ہوا، مجھ سے پوچھا کہ میں کیا پینا پسند کروں گی۔ میں نے لیکور پسند کی جسے اس قونصل نے بوھیمین کرسٹل گلاس میں خود ڈال کر پیش کیا۔

''بدقسمتی سے فرانز ہمارے درمیان نہیں رہا؛ وہ فرانسیسیوں کے ایک بزدلانہ حملے میں مارا گیا''۔

جو تھوڑا بہت مجھے معلوم تھا، وہ یہ تھا کہ اگست 1914ء میں جرمن افواج نے بیلجیم کے بارڈر پر شدید حملہ کیا تھا۔ بہت عجلت میں پیرس پہنچنے کا خیال، جیسا کہ مجھے دیئے گئے خط کا

متن تھا، اب ایک سہانہ خواب ہی تھا۔

''ہماری ہر چیز بہترین پلاننگ پر مبنی ہے! کیا میں آپ کو بور کر رہا ہوں؟''

میں نے اسے بات جاری رکھنے کا کہا۔ ہاں، مجھے بوریت تو محسوس ہو رہی تھی، لیکن، جتنی جلدی ممکن ہو، میں پیرس جانا چاہتی تھی اور مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ، اس کام کے لئے، مجھے قونصل کی مدد درکار ہوگی۔ جب سے میں ہیگ آئی ہوں، مجھے ایک انتہائی مشکل چیز سیکھنی پڑی: صبر کرنے کا فن۔

قونصل نے میری بیزاری کو بھانپ لیا اور مجھے، مختصراً، یہ بتانے کی کوشش کی کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ انہوں (جرمن) نے اپنی فوج کے سات ڈویژن مغرب کی سمت روانہ کر دیئے ہیں تا کہ، انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ، فرانسیسی علاقے پر پیش قدمی کی جا سکے اور اب وہ پیرس سے تقریباً پچاس کلومیٹر دور رہ گئے ہیں، لیکن جرنیلوں کو اس بات کی بہتر آگہی نہیں تھی کہ جرنل کمانڈ نے حملہ کرنے کا کیا پلان بنایا تھا، اسی وجہ سے فوج کو موجودہ جگہ تک پسپائی اختیار کرنا پڑی، یہ جگہ بیلجیم کی سرحد کے قریب تر ہے۔ عملاً ایک سال تک وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکے، اور نہ زیادہ جانی نقصان ہوا، لیکن کسی فریق نے ہتھیار نہیں ڈالے۔

''مجھے یقین ہے کہ جب یہ جنگ ختم ہوگی تو فرانس کے ہر گاؤں میں، چاہے وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، مرنے والے کی ایک یادگار ضرور ہوگی۔ وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو (محاذ جنگ پر) بھیج رہے ہیں تا کہ ہماری توپیں ان کے پرخچے اڑا دیں۔

لفظ ''پرخچے'' پر مجھے بہت حیرت ہوئی اور قونصل نے میری ناپسندیدگی محسوس کر لی۔

''چلیں یہ کہتے ہیں کہ جتنی جلدی یہ بھیانک خواب ختم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ باوجود اس بات کے کہ برطانیہ ان کے ساتھ ہے، اور ہمارا احمق ساتھی — آسٹریا — جو روسی پیش قدمی روکنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے، بالآخر ہم ہی جیتیں گے۔ اسی کام کے لئے ہمیں

آپ کی مدد کی ضرورت ہے''۔

میری مدد کی؟ ایک ایسی جنگ روکنے کے لئے، جس میں، ہیگ سے ملنے والی اطلاعات، اور چند دعوتوں میں سننے والی گفتگو کے مطابق، ہزاروں لوگ مارے جا چکے ہیں؟

وہ مجھ سے کیا چاہتا تھا؟

اچانک مجھے فرانز کی وارننگ یاد آ گئی، اور اس کی گونج سنائی دی: ''کوئی ایسی چیز قبول نہ کرنا جس کی تجویز مسٹر کریمر دے''۔

تاہم میری زندگی اس سے بدتر نہیں ہو سکتی تھی، میں پیسوں کے لئے ترس گئی تھی، میرے پاس سونے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی اور مجھ پر قرضہ چڑھتا جا رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کیا تجویز کر رہا تھا، لیکن مجھے یقین تھا کہ میں اس شکنجے سے بخوبی نکل سکتی ہوں۔ میں اپنی زندگی میں ایسے بہت سے شکنجوں سے نکل چکی تھی۔

میں نے اسے کہا کہ وہ اپنا مقصد بیان کرے۔ کارل کریمر کا جسم اکڑ گیا اور اس کا لہجہ یکسر تبدیل ہو گیا۔ میں اب اس کے لئے ایک معزز مہمان نہیں رہی تھی کہ جس کے لئے اس نے ان اہم معاملات پر گفتگو کرنے سے پہلے، بڑی شائستگی دکھائی تھی؛ وہ اب مجھ سے اپنے ایک ماتحت کی طرح پیش آ رہا تھا۔

''تمہارے لکھے ہوئے نوٹ سے میں یہ سمجھ پایا ہوں کہ تم پیرس جانے کی خواہش مند ہو۔ میں تمہیں وہاں بھیج سکتا ہوں، اور تمہیں بیس ہزار فرانکس کا الاؤنس بھی دے سکتا ہوں''۔

''یہ ناکافی ہے''، میں نے جواب دیا۔

''اس معاوضے میں ردوبدل تمہارے کام کے معیار اور آزمائشی مدت کی تکمیل سے مشروط ہے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں؛ ہماری جیبیں پیسوں سے بھری رہتی ہیں۔ بدلے میں مجھے وہ معلومات درکار ہوں گی جو تمہیں ان حلقوں سے میسر آئیں جن میں تم

اٹھتی بیٹھتی ہو"۔

اٹھتی بیٹھتی ہوں، میں نے خود سے پوچھا۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتی کہ تقریباً ڈیڑھ سال گزر جانے کے بعد پیرس میں میرا کیسا استقبال ہوگا، خاص طور پر جب انہوں نے میرے بارے میں آخری خبر یہ سنی ہو کہ میں اپنے شوز کی سیریز کرنے کے لئے جرمنی جا رہی ہوں۔

کریمر نے میز کی دراز سے تین چھوٹی تھرماس نکالیں اور مجھے دے دیں۔

"یہ نہ نظر آنے والی روشنائی ہے۔ جب کبھی بھی تمہیں کوئی خبر ملے، اسے استعمال میں لاؤ اور اسے کیپٹن ہوف مان کو بھیج دو، وہ تمہارے کیس کے انچارج ہیں۔ کبھی بھی اپنے دستخط نہ کرنا"۔

اس نے ایک فہرست اٹھائی، اس کا اچھی طرح جائزہ لیا اور کسی چیز کے سامنے نشان لگایا۔

"تمہارا علامتی نام H21 ہوگا۔ اسے ہمیشہ کے لئے یاد رکھو: تمہارے دستخط صرف 'H21' ہی ہوں گے"۔

میں یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ علامت مزاحیہ ہونے کی تھی، خطرناک ہونے کی یا احمق ہونے کی۔ وہ کسی اچھے نام کا انتخاب بھی کر سکتے تھے بجائے اس مخفف کے، جو کسی ٹرین کا سیٹ نمبر محسوس ہوتا تھا۔

ایک دوسری دراز سے اس نے بیس ہزار فرانکس کی رقم نکالی اور نوٹوں کی تھتی میرے حوالے کر دی۔

"سامنے کمرے میں موجود میرے ماتحت معاملات کی دیکھ بھال کریں گے جیسے پاسپورٹ اور پروانہ راہداری۔ جیسا کہ تم سوچ سکتی ہو جنگ کے دوران (کسی ملک کی) سرحد عبور کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ لہٰذا واحد متبادل یہ ہے کہ پہلے لندن جایا جائے اور پھر وہاں

سے، اس شہر کی طرف، جہاں، بہت جلد ہم، بڑی شان و شوکت کے ساتھ، مارچ کریں گے۔ لیکن اس کا متبادل نام ـــ آرک ڈی ٹری اومف ـــ لیا"۔

جب میں کریمر کے آفس سے باہر آئی تو میرے پاس ہر وہ چیز تھی۔ جس کی مجھے ضرورت تھی، رقم، دو عدد پاسپورٹ اور پروانہ راہداری۔ جب میں نے پہلا پل عبور کیا، تو میں نے منہ نظر آنے والی روشنائی کی بوتلیں خالی کیں۔ یہ چیز ان بچوں کے لئے تھی جو جنگ کا کھیل کھیلنا چاہتے ہوں لیکن انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا ہو کہ ان کے بڑے انہیں اتنی سنجیدگی سے لیں گے۔ پھر میں فرانسیسی قونصلیٹ گئی اور چارج ڈی افیئرز سے کہا کہ وہ جاسوسی کا سدباب کرنے والے آفیسر سے رابطہ کرے۔ اس نے بڑی بددلی سے پوچھا:

"آپ کو ایسی کیا ضرورت پیش آئی؟"

میں نے جواب دیا کہ یہ ایک نجی معاملہ ہے اور میں اس سلسلے میں ماتحت عملے سے بالکل بھی گفتگو نہیں کروں گی۔ مجھے سنجیدہ دکھائی دینے کی ضرورت تھی، کچھ ہی دیر بعد میں اس کے اعلیٰ آفیسر سے ٹیلی فون پر گفتگو کر رہی تھی، جس نے مجھے اپنا نام ظاہر کئے بغیر ہی گفتگو کی۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے ابھی ابھی جرمن خفیہ ادارے نے بھرتی کیا ہے۔ اسے تمام تر تفصیلات بتائیں اور اسے کہا کہ میں جیسے ہی، اپنی نئی منزل، پیرس پہنچتی ہوں تو میں اس سے ملنا چاہوں گی۔ اس نے میرا نام پوچھا اور بتایا کہ وہ میرے (فنکارانہ) کام کا مداح ہے، اور میں جیسے ہی روشنیوں کے شہر پہنچوں گی وہ مجھ سے رابطہ کرے گا۔ میں نے مزید بتایا کہ مجھے ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ میں کس ہوٹل میں قیام کروں گی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں: اس طرح کے کاموں کو دیکھنا ہمارا فرض ہے"۔

زندگی ایک مرتبہ پھر دلچسپی سے بھرپور ہو گئی تھی، اگرچہ میں نہیں جانتی تھی کہ یہ بعد میں کتنی دلچسپ رہے گی۔ مجھے اس وقت حیرت ہوئی جب میں ہوٹل واپس پہنچی تو میرے لئے ایک لفافہ موجود تھا، جس کے مطابق مجھے کہا گیا تھا کہ میں رائل تھیٹر کے ڈائریکٹرز میں سے

ایک سے جا کر ملوں۔ میری تجویز قبول کر لی گئی تھی اور مجھے، عوامی سطح پر، تاریخی مصری رقص پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی، بشرطیکہ اس میں عریانی کا عنصر شامل نہ ہو۔ میں نے سوچا کہ یہ کیا شاندار اتفاق ہے، لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ مدد فرانسیسیوں کی طرف سے تھی یا جرمنوں کی طرف سے۔

میں نے یہ دعوت قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے مصری رقص کو دوشیزگی، عشق، پاکیزگی اور (ازدواجی) فرض شناسی جیسے چار حصوں میں تقسیم کیا۔ مقامی اخبارات نے (میرے فن کو) بہت سراہا، لیکن آٹھ پرفارمنس کرنے کے بعد میں، ایک مرتبہ پھر، انتہائی بوریت کا شکار ہو گئی اور اس دن کا خواب دیکھنے لگی جب میں پیرس واپس جاؤں گی۔

ایمسٹرڈیم میں مجھے آٹھ گھنٹے انتظار کرنا پڑا تا کہ میں برطانیہ کے لئے رابطہ ٹرین میں بیٹھ سکوں۔ وہاں میں نے فیصلہ کیا کہ میں چہل قدمی کر لوں۔ ایک مرتبہ پھر میرا سامنا اس بھکاری سے ہوا جس نے تھیا[1] سے متعلق بڑے پراسرار اشعار گنگنائے تھے۔ میں تیزی سے گزرنا چاہ رہی تھی لیکن وہ گنگناتے ہوئے میری راہ میں حائل ہوا۔

"تمہارا پیچھا کیوں کیا جا رہا ہے؟"

"کیونکہ میں حسین ہوں، پُرکشش ہوں، اور مشہور ہوں"، میں نے جواب دیا۔

اس نے کہا کہ یہ ایسے لوگ نہیں جو تمہارے پیچھے ہیں، یہ دو مرد ہیں، جیسے ہی انہیں محسوس ہوا کہ میں نے انہیں دیکھ لیا، وہ پراسرار طور پر غائب ہو گئے۔

مجھے نہیں یاد کہ آخری مرتبہ، میں کب کسی بھکاری سے مخاطب ہوئی تھی؛ معاشرے کے اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھنے والی عورت کے لئے یہ بات ناقابل قبول تھی، وہ لوگ جو مجھ سے حسد کرتے ہیں وہ بھی مجھے ایک فنکارہ یا ایک کسبی سمجھتے تھے۔

"مجھے ایسا نہیں لگتا، لیکن تم یہاں جنت میں ہو۔ یہاں تمہیں بوریت محسوس ہو سکتی ہے، لیکن کیا یہ تمہارے لئے جنت نہیں؟ مجھے معلوم ہے تم کسی مہم کی تلاش میں ہو، اور مجھے امید ہے تم میری گستاخی معاف کر دو گی، لیکن، عموماً، لوگ اس چیز کے لئے ناشکرے ہوتے ہیں جو ان کے پاس ہو"۔

---

(1) Thea

میں نے مشورہ دینے پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی راہ لی۔ یہ کیسی جنت تھی جہاں کچھ بھی، کچھ بھی تو ایسا نہیں تھا جسے دلچسپ کہا جا سکے؟ میں خوشی تلاش نہیں کر رہی تھی، لیکن وہ جسے فرانسیسی لوگ "لاورائی" کہتے ہیں، بھرپور زندگی، نا قابل بیان خوبصورتی اور اداسی کے لمحات لئے، وفاداریاں اور بے وفائی اپنے تمام تر خوف اور پرسکون لمحات لئے۔ جب اس بھکاری نے مجھے بتایا

کہ میرا پیچھا کیا جا رہا تھا، تو میں یہ سوچنے لگی کہ میں کوئی ایسا اہم کردار ادا کر رہی ہوں جیسا میں نے اپنی تمام زندگی میں ادا نہیں کیا: میں کوئی ایسی شخصیت ہوں جو دنیا کی تقدیر بدل سکتی ہے، فرانس کو اس قابل بنا سکتی ہوں کہ وہ یہ جنگ جیت سکے جبکہ میں ایسا دکھاوا کر رہی تھی کہ میں جرمنی کے لئے جاسوسی کر رہی ہوں۔ مرد یہ سوچتے ہیں کہ خداوند کوئی ماہر ریاضی ہے لیکن ایسا نہیں یا شاید کوئی شطرنج کا کھلاڑی، جو اپنے مخالف کی چال کا منتظر رہتا ہے تا کہ اپنی حکمت سے اسے شکست دی جائے۔

اور جہاں تک میرا، ماتاہری کا تعلق تھا، تو میرے لئے روشنی کے ہر لمحے اور تاریکی کے ہر لمحے کا ایک ہی مطلب تھا۔ میں زندہ رہی اپنی شادی کے بعد، اپنی بیٹی کی سرپرستی چھن جانے کے بعد بھی ـــ اگرچہ میں نے چند لوگوں سے سنا ہے کہ وہ میری تصویر اپنے لنچ بکس سے چپکائے رکھتی ہے ـــ میں نے کبھی شکایت نہیں کی اور نہ ہی ایک جگہ ساکن رہی۔ جب میں آسٹرک کے ساتھ نارمنڈی کے ساحل پر پتھر پھینک رہی تھی تو مجھے ادراک ہوا کہ میں تو ہمیشہ سے ایک جنگجو رہی ہوں، جس نے جنگوں کا بھرپور سامنا کیا ہے، بغیر کسی تلخی کے؛ کہ یہ زندگی کا حصہ تھیں۔

اسٹیشن پر میرا آٹھ گھنٹے کا قیام جلد ہی ختم ہو گیا اور میں اس ٹرین میں بیٹھ گئی جس نے مجھے برائٹن (برطانیہ) پہنچانا تھا۔ جب میں برطانیہ پہنچ گئی تو میری پوچھ گچھ کا مرحلہ شروع ہو گیا: بظاہر، شاید اس لئے کہ میں ایک نمایاں عورت تھی، شاید اس لئے بھی کہ میں اکیلے سفر

کر رہی تھی یا پھر اس لئے کہ میں کون ہوں، اور دیکھنے میں کیا لگتی ہوں، فرانسیسی خفیہ ایجنسی کے لوگوں نے مجھے جرمن قونصلیٹ میں داخل ہوتے دیکھ لیا ہو اور اپنے تمام اتحادیوں کو آگاہ کر دیا ہو۔ کوئی شخص بھی میری ٹیلی فون کال سے متعلق اور اس ملک سے میرے لگاؤ کے بارے میں نہیں جانتا ہوگا کہ جس کی طرف میں رواں دواں تھی۔

میں اگلے دو سالوں میں کئی مقامات کی سیر کروں گی، ان ممالک میں جاؤں گی جہاں میں کبھی نہیں گئی، پھر جرمنی جاؤں گی، وہاں جا کر دیکھوں گی کہ آیا مجھے میری چیزیں واپس مل سکتی ہیں، کہ برطانوی حکام نے، بڑے سخت لہجے میں میری پوچھ گچھ کی، باوجود اس بات کے کہ ہر کوئی، قطعی طور پر اس بات سے آگاہ تھا کہ میں فرانس کے لئے کام کر رہی تھی۔ مشہور ترین ریستورانوں میں مسلسل کھانا کھانے کی وجہ سے میں کئی دلچسپ لوگوں سے ملی، بالآخر میری نظریں ایک حقیقی چاہنے والے سے جا ملیں، وہ ایک روسی تھا جس کی آنکھیں مسٹرڈ گیس سے متاثر ہوگئی تھیں، جس گیس کو اس جنگ کے دوران بلاتفریق استعمال کیا گیا تھا اور اس شخص کے لئے میں کچھ بھی کرنے کے لئے تیار تھی۔

میں اسی شخص کی وجہ سے، ہر طرح کا خطرہ مول لے کر وِٹل چلی گئی تھی، میری زندگی کو نئے معانی مل گئے تھے۔ ہر رات جب بھی ہم بستر پر دراز ہوتے تو میں ایک خاص گیت گنگناتی:

رات کو بستر میں لیٹنے کے بعد، میں اسے تلاش کرتی جسے میری روح پیار کرتی ہے؛
میں نے اسے تلاش کیا، لیکن اسے پا نہ سکی۔

میں کھڑی ہوں گی اور شہر بھر میں دیکھوں گی: سڑکوں اور بازاروں میں،
میں اسے دیکھوں گی جسے میری روح پیار کرتی ہے؛

میں نے اسے تلاش کیا، لیکن اسے پا نہ سکی۔

وہاں پر موجود چوکیداروں نے، جو شہر کا چکر لگاتے ہیں، مجھے پکڑ لیا؛
میں نے ان سے پوچھا: کیا تم نے دیکھا ہے وہ شخص جسے میری روح پیار کرتی ہے؟
میں ایک طرف کھڑی ہو گئی اور پھر پا لیا اسے جسے میری روح پیار کرتی ہے؛
میں نے اسے زور سے پکڑ لیا اور اب اسے جانے نہیں دوں گی۔

اور جب وہ درد سے تڑپتا تو میں ساری رات کھڑی ہو کر اس کی آنکھوں کی اور اس کے جسم پر موجود زخموں کی دیکھ بھال کرتی۔

جس لمحے میں نے اسے (عدالت میں) گواہوں کی جگہ کھڑے دیکھا اور یہ کہتے سنا کہ وہ کبھی بھی اپنے سے بیس سال بڑی عورت کی محبت میں گرفتار نہیں ہوا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ تیز ترین تلواروں سے میرا جگر پارہ پارہ ہو گیا ہو؛ اس کی واحد دلچسپی یہ تھی کہ کوئی اس کے زخموں کی دیکھ بھال کرے۔

اور ہاں مسٹر کلونے! جو بات تم نے مجھے بعد میں بتائی، یہ قسمت کا ہی چکر تھا کہ میں وسّل چلی گئی کہ جس کی وجہ سے اس ملعون کیپٹن لاڈو کو شک گزرا۔

لہٰذا مسٹر کلونے! اب میرے پاس اس کہانی میں مزید کچھ نہیں جو اس میں شامل کیا جائے۔ تمہیں بہتر معلوم ہے کہ پھر کیا ہوا، اور کیسے ہوا۔

اس بنا پر کہ جو کچھ میں نے بلا جواز برداشت کیا، وہ تذلیل جس کا سامنا کرنے پر میں مجبور ہوں، عوامی سطح پر بدنامی جو تھرڈ وار کونسل کے ججوں کے روبرو مجھے برداشت کرنا پڑتی ہیں، دونوں اطراف سے بولا جانے والا جھوٹ — کہ جیسے جرمن اور فرانسیسی، جو ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں، وہ ایک ایسی عورت کو رہا نہیں کر سکتے جس کا سب سے بڑا جرم

یہ ہے کہ وہ آزاد سوچ کی مالک ہے، ایک ایسی دنیا میں جہاں لوگ، بہت بڑی تعداد میں، گھٹے ہوئے اور محدود سوچ کے مالک ہیں ــــ اسی بناء پر، مسٹر کلونے! اگر ملک کے صدر سے کی جانے والی میری (رحم کی) اپیل خارج ہو جاتی ہے، تو میں آپ سے یہ درخواست کر رہی ہوں، برائے مہربانی، اس دستاویز کو میری بیٹی، نون، کے حوالے کر دینا، اس وقت جب وہ بڑی ہو جائے اور اس معاملے کو سمجھ جائے کہ کیا ہوا تھا۔

جب میں اپنے ایجنٹ آسٹرک کے ساتھ نارمنڈی کے ساحل پر تھی۔ ہاں! میں نے اسے پیرس واپس آنے کے بعد ایک مرتبہ ہی دیکھا ہے، تو اس نے کہا تھا کہ ہمارا ملک سامیت مخالف[1] نظریات کے دور سے گزر رہا ہے اور اب وہ اسی کمپنی میں مزید دکھائی نہیں دے گا۔ اس نے مجھے ایک ادیب آسکر وائلڈ سے متعلق بھی بتایا تھا۔ اس کا ڈرامہ "سلومی[2]" تلاش کرنا مشکل بھی نہیں لیکن کسی بھی سرمایہ کار نے ذرا سی رقم دینے پر رضامندی کا اظہار نہیں کیا، یہ دیکھنے کے لئے کہ میں کیا پیش کرنے والی ہوں۔ اگرچہ میں قلاش ہو گئی تھی تاہم اب تک بھی میں، بہت سے بااثر لوگوں کو جانتی تھی۔

میں اسے سامنے لے کر کیوں آئی؟ میں نے اس انگریز مصنف کے کام میں دلچسپی لینی کیوں چھوڑ دی، جس نے اپنی زندگی کے آخری ایام یہاں پیرس ہی میں گزارے، جس کی آخری رسومات میں اس کے دوست بھی شریک نہیں ہو سکے، اور اس کا جرم محض یہ تھا کہ وہ انسان سے محبت کرنے والا تھا؟ کیا یہ بھی میرا جرم بن جائے گا، کہ میں مشہور شخصیات کے ساتھ سوئی ہوں اور ان کی لالچی، حریص اور ناشکری بیگمات خوشیاں تلاش کرتی پھرتی ہیں۔ تاہم ان میں سے کسی نے مجھے موردِ الزام نہیں ٹھہرایا، یقیناً اس لئے کہ وہ میرے، اس وقت کے معمولات کے، گواہ ہیں۔

---

(1) سیمیٹیت مخالف۔

(2) آسکر وائلڈ کا ایک ڈرامہ جو فرانسیسی زبان میں لکھا گیا۔

میں دوبارہ اس انگریز مصنف کی طرف آتی ہوں جسے اس کے اپنے ملک میں شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا اور ہمارے ملک میں اس کی ناقدری کی گئی۔ اپنے مسلسل سفر کے ایام میں، میں نے اس (آسکر وائلڈ) کے بہت سے ڈرامے پڑھے اور مجھ پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ اس نے بچوں کے لئے کہانیاں بھی لکھی تھیں۔

ایک طالب علم، اپنی خواہش کی تکمیل میں، اپنی محبوب کو (اپنے ساتھ) رقص کرنے کا کہتا ہے، وہ لڑکی انکار کر دیتی ہے، یہ کہہ کر کہ وہ اس کی بات اس وقت مانے گی جب وہ اس کے لئے سرخ گلاب لے کر آئے۔ معاملہ کچھ یوں تھا کہ وہ طالب علم جس جگہ رہتا تھا اس خطے میں کھلنے والے تمام گلاب پیلے یا سفید ہوتے تھے۔

بلبل نے یہ گفتگو سن لی، لڑکے کی اداسی اور غم دیکھ کر بلبل نے لڑکے کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ وہ کوئی خوبصورت گیت گنگنائے، لیکن پھر اس نتیجے پر پہنچی کہ ایسا کرنا مزید بدتر ہوگا ـــ تنہا ہونے کی وجہ سے وہ اور اداس ہو جائے گا۔

قریب سے گزرنے والی تتلی نے پوچھ لیا کہ کیا واقعہ ہے۔ "یہ اپنی محبت کے لئے بلک رہا ہے، اور اسے ایک سرخ گلاب کی ضرورت ہے"۔

"محبت کے لئے بلکنا کتنا مضحکہ خیز ہے" تتلی نے جواب دیا۔

لیکن بلبل اس لڑکے کی مدد کرنے کا پکا ارادہ کئے ہوئے تھی۔ ایک بڑے باغ کے بیچ ایک پودا گلاب کے پھولوں سے لدا ہوا تھا۔

"مہربانی فرما کر، مجھے ایک سرخ گلاب دے دیں"۔

اس پودے نے جواب دیا کہ ایسا ناممکن ہے، اس (لڑکے) کے لئے تمہیں کوئی اور پودا تلاش کرنا ہوگا ـــ میرے پھول کبھی سرخ ہوا کرتے تھے، اب وہ سفید ہو گئے ہیں۔

بلبل نے ایسا ہی کیا جیسا اسے بتایا گیا تھا، وہ اڑتی ہوئی بہت دور چلی گئی اور گلاب کے ایک پرانے پودے سے مخاطب ہوئی، "مجھے ایک سرخ گلاب چاہیے"۔

"میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں"، اس نے جواب دیا، "سردی نے میری رگیں ٹھنڈی کر دی ہیں، سورج کی روشنی سے میری پتیاں خشک ہو گئیں"۔

"صرف ایک ہی چاہیے"، بلبل نے التجا کی، "کوئی نہ کوئی راستہ تو ہوگا!"

ہاں، ایک راستہ ہے، لیکن وہ اتنا خطرناک ہے میں بتانا نہیں چاہتا۔

"میں بالکل بھی خوفزدہ نہیں۔ مجھے بتاؤ کہ میں سرخ گلاب حاصل کرنے کے لئے کیا کروں، صرف ایک سرخ گلاب"۔

"تو پھر رات کو واپس آؤ اور وہ انتہائی سُریلا گیت گنگناؤ جو بلبل گاتی ہیں اور اپنی چھاتی کو میرے کانٹے پر رکھ کر دباؤ، میرے (جھیب) رس میں خون بڑھ جائے گا اور وہ پھول کو رنگ دے گا"۔

بلبل نے اس رات ایسا ہی کیا، وہ اس بات کے لئے تیار ہو گئی کہ وہ محبت و عشق کے نام پر اپنی جان کی قربانی پیش کر دے۔ جیسے ہی چاند ابھرا اس نے کانٹے پر اپنی چھاتی رکھ کر دبائی اور گیت گنگنانا شروع کیا۔ اس نے پہلا گیت جو گایا وہ ایک مرد اور عورت کا تھا جو ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ پھر یہ کہ محبت کسی قربانی کا جواز کیسے پیش کرتی ہے۔ جب چاند نصف آسمان تک پہنچ گیا بلبل گیت گنگناتی رہی اور گلاب کے پودے کا سب سے خوبصورت پھول اس کے خون سے رنگین ہو گیا۔

"اور تیز" گلاب کے پودے نے وقت کے ایک پہر بلبل سے کہا، "سورج طلوع ہوا ہی چاہتا ہے"۔

"بلبل نے اپنی چھاتی مزید دبائی اور اس لمحے کانٹا اس کے دل تک پہنچ گیا۔ اس کے باوجود اس نے گنگنانا جاری رکھا تاوقتیکہ کام مکمل ہو گیا۔

وہ بُری طرح ہانپ چکی تھی، اور یہ بات جانتے کے باوجود کہ وہ اب مرنے والی ہے، اس نے سرخ گلابوں میں سے خوبصورت ترین پھول لیا اور طالب علم کو پہنچانے چلی گئی۔ وہ

اس کے گھر کی کھڑکی تک پہنچی، پھول وہاں رکھا اور مرگئی۔

طالب علم نے بلبل کا شور سُنا، کھڑکی کھولی، یہی وہ چیز تھی جس کی اسے دنیا میں سب سے زیادہ آرزو تھی۔ سورج طلوع ہو رہا تھا؛ اس نے وہ گلاب لیا اور اپنی محبوبہ کے گھر کی طرف دوڑا۔

"یہ لو! وہ چیز جو تم نے مجھ سے مانگی تھی"، پسینے میں شرابور لیکن خوشی سے سرشار لڑکے نے کہا۔

"میں نے ایسا پھول تو نہیں مانگا تھا"، لڑکی نے جواب دیا، "یہ پھول تو بہت بڑا ہے اور میرے لباس پر بھدا لگے گا۔ مزید یہ کہ مجھے آج کی محفلِ رقص کے لئے کسی اور (لڑکے) کی طرف سے دعوت بھی مل گئی ہے"۔

انتہائی مایوسی کے عالم میں لڑکے نے وہ پھول گٹر پر پھینک دیا، فوراً ہی ایک گزرنے والی گاڑی نے اس پھول کو کچل دیا۔ وہ اپنی کتابوں کی طرف لوٹ آیا، کہ، جن کتابوں نے کبھی بھی اس لڑکے سے کوئی ایسی چیز نہیں منگوائی جو وہ نہ لا سکتا ہو۔

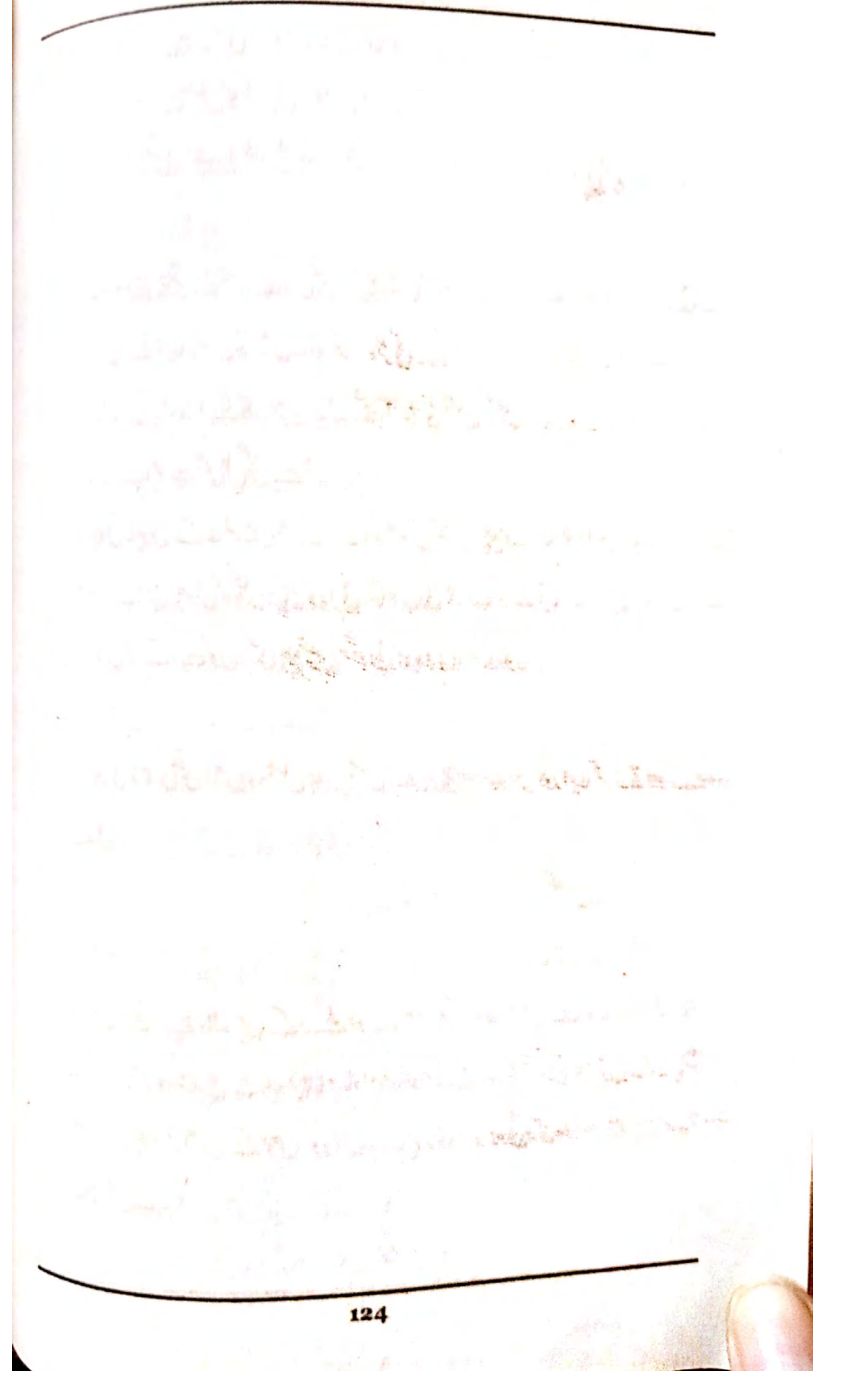
یہ میری زندگی تھی؛ میں وہ بلبل ہوں جس نے ہر چیز دے دی اور ایسا کرتے ہوئے وہ جان سے گئی۔

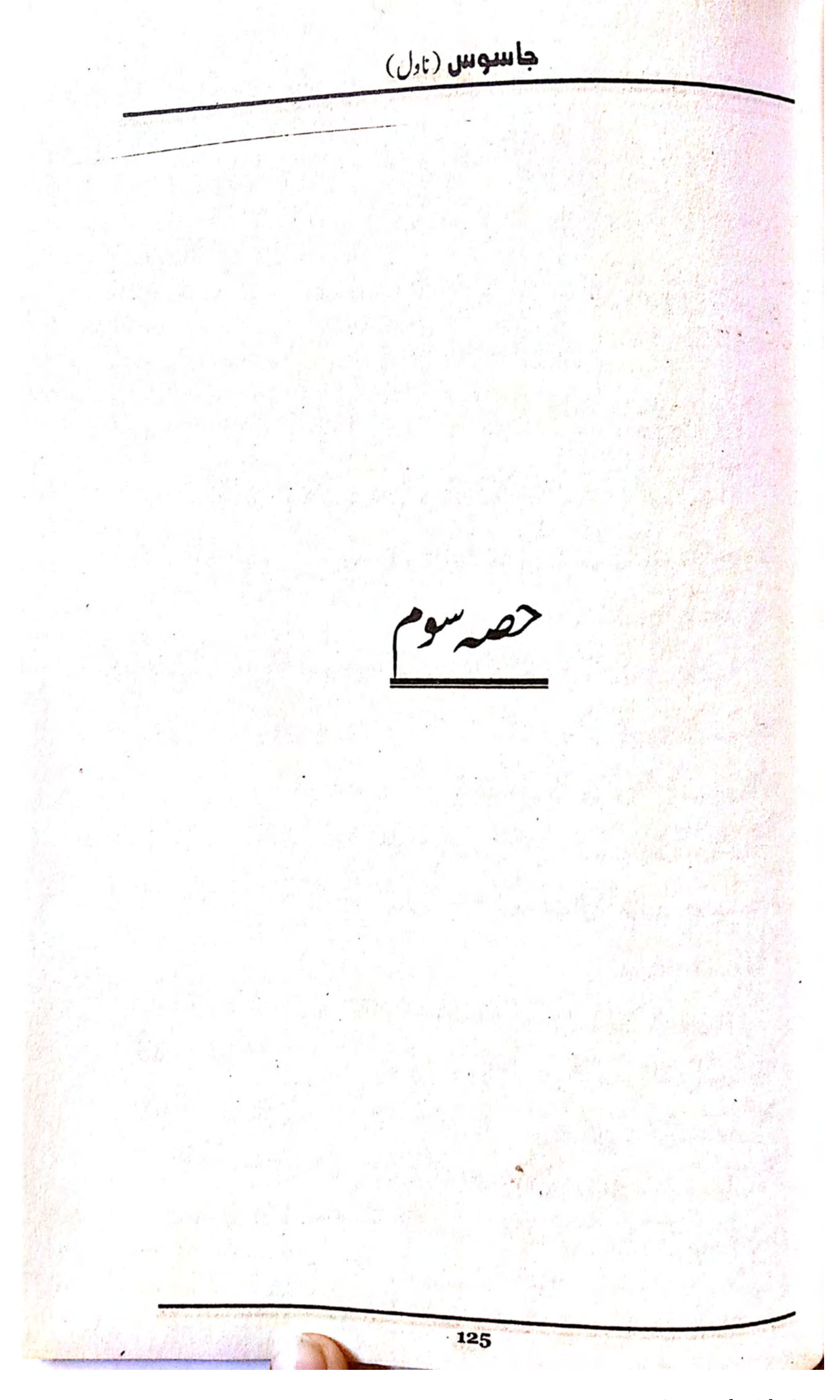
مخلص،

ماتاہری۔

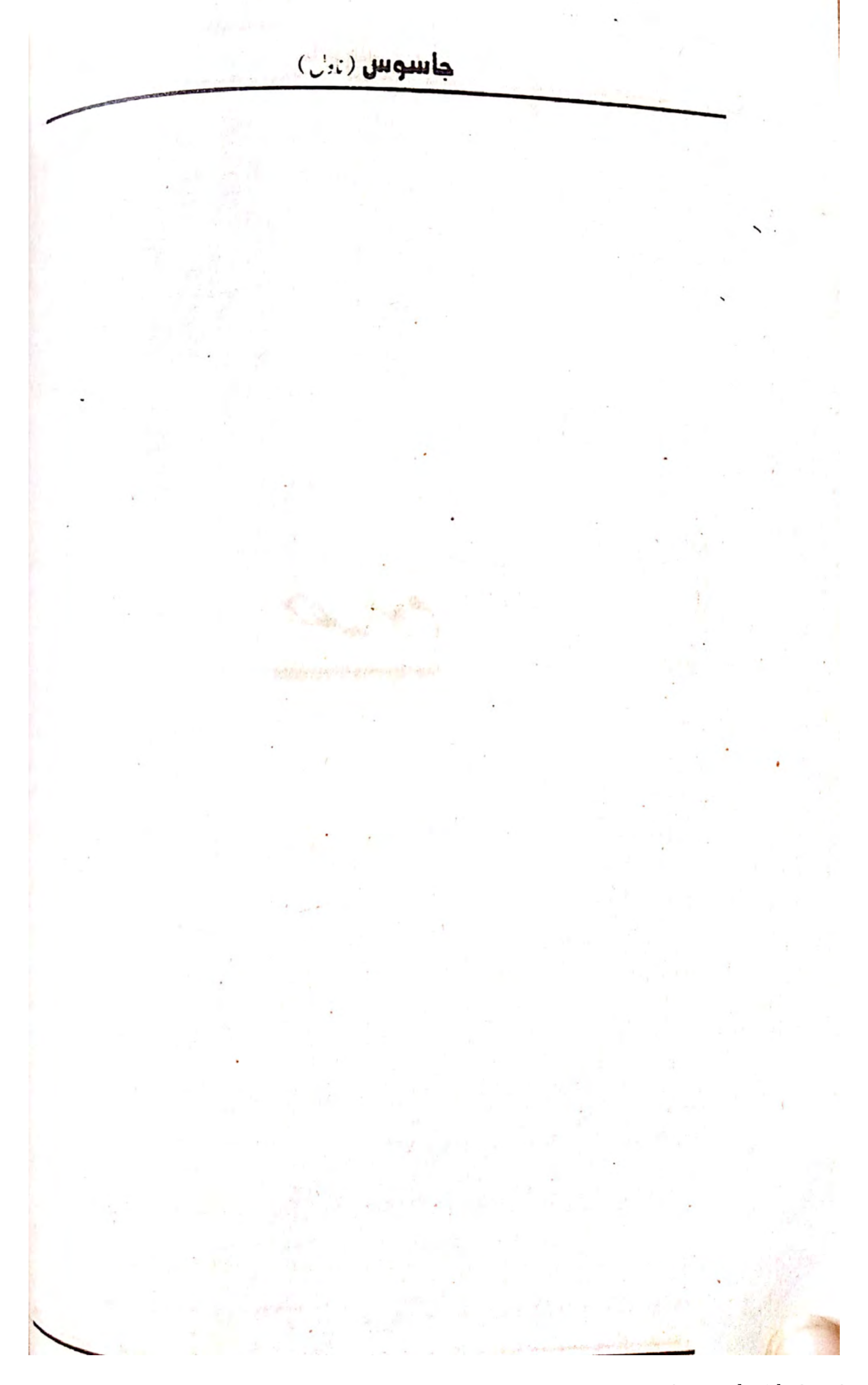
(جسے پہلے اپنے والدین کے رکھے ہوئے نام مارگریتھا زیل سے جانا جاتا تھا، پھر اسے مجبور کیا گیا کہ وہ شادی کے بعد اپنا نام مادام میکلوڈ رکھے، اور آخر میں جرمنوں کے زیرِ اثر آ کر، محض بیس ہزار فرانکس کے عوض، وہ اس بات پر رضامند ہوئی، کہ وہ ہر دستاویز پر اپنے دستخط H21 کرے۔)

☆......☆





حصہ سوم



پیرس ۱۴ اکتوبر 14، 1917ء۔

ڈیئر ماتا ہری،

اگرچہ تمہیں ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ ملک کے صدر نے تمہاری رحم کی اپیل مسترد کر دی ہے۔ اسی لئے کل صبح میں تم سے ملنے آؤں گا، اور یہ آخری مرتبہ ہوگا کہ ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے۔

اب میرے سامنے گیارہ طویل گھنٹے ہیں اور مجھے معلوم ہے کہ آج رات میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی سو نہیں سکوں گا۔ لہٰذا میں تمہیں یہ خط لکھ رہا ہوں، یہ خط وہ شخصیت پڑھ ہی نہیں پائے گی جس کے لئے یہ لکھا جا رہا ہے، لیکن میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں اسے، تفتیش میں، حتمی ثبوت کے طور پر پیش کروں، باوجود اس بات کے کہ قانونی نکتہ نظر سے یہ بات بے سود ہے، پھر بھی میں امید کرتا ہوں کہ میں تمہاری شہرت کو بحال کروں، کیونکہ ابھی میں زندہ ہوں۔

اس دفاع کے ذریعے میرا مقصد اپنی عدم صلاحیت ثابت کرنا نہیں، کیونکہ میں، حقیقتاً وہ شقی القلب وکیل نہیں جیسا کہ تم نے اپنے بہت سے خطوط میں ظاہر کیا ہے۔ میں تو محض دوبارہ جی اٹھنا چاہتا ہوں — صرف خود کو اس گناہ سے آزاد کروا کر جو میں نے سرزد نہیں کیا — گزشتہ چند مہینوں کی، اپنی، آزمائش بتا کر۔ آزمائش یہ تھی کہ میں اکیلا نہیں جی رہا تھا۔ میں اپنی بھرپور کوشش کر رہا تھا کہ میں اس عورت کو بچا سکوں کہ جسے کبھی میں پیار کرتا تھا، اگرچہ میں نے اس بات کا اعتراف کبھی نہیں کیا۔

اسی قسم کی آزمائش سے پوری قوم گزر رہی ہے؛ اس وقت ملک میں کوئی خاندان ایسا نہیں جس کا کوئی مرد میدان جنگ میں مارا نہ گیا ہو۔ اسی وجہ سے ہم عدم انصاف اور ظالمانہ اقدامات جیسے امور سرانجام دے رہے ہیں، ایسے کام جو میں نے کبھی بھی اپنے ملک میں ہوتے نہیں دیکھے۔ اس وقت جب میں یہ خط لکھ رہا ہوں، کئی نہ ختم ہونے والی جنگیں لڑی جا رہی ہیں، وہ بھی یہاں سے صرف دو سو کلومیٹر کے فاصلے پر۔ ان میں سب سے بڑی اور خونی جنگ ہماری ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہوئی؛ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ دو لاکھ بہادر سپاہی ان دس لاکھ جرمن فوجیوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے جو ٹینکوں اور بھاری اسلحے سے لیس ہو کر ہمارے دارالحکومت کی طرف مارچ کر رہے تھے۔ لیکن بہادری سے دفاع کرنے کی وجہ سے، شدید خونریزی اور ہزاروں فوجیوں کے مارے جانے اور زخمی ہونے کے باوجود محاذ جنگ آج بھی وہیں ہے جہاں 1914ء میں تھا، جہاں جرمنوں نے فوجیوں کو مارنا شروع کیا تھا۔

پیاری ماتاہری! تمہاری سب سے بڑی غلطی تو یہ تھی کہ تم نے صحیح کام کرنے کے لئے غلط شخص کا انتخاب کیا اور اس کا نام ہے جورج لادو، جاسوسی کا سدباب کرنے والے محکمے کا نگران، جس نے تمہارے پیرس پہنچ جانے کے فوراً بعد تم سے رابطہ کیا، وہ حکومت کا ایک خاص شخص ہے، اور یہ وہی ہے جو ڈریفس (1) کیس کا ذمے دار ہے، جس میں عدل و انصاف کا مذاق بنایا گیا اور جو آج بھی ہمارے لئے باعث شرمندگی ہے۔۔۔ایک بے گناہ شخص جسے عہدے کی تنزلی اور جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب یہ شخص (لادو) بے نقاب ہو گیا تو اس نے یہ جواز پیش کرنے کی کوشش کی کہ اس کا کام "دشمن کے اگلے اقدامات کو جاننے تک محدود نہیں بلکہ ہمارے دوستوں کے حوصلوں کو پست کرنے سے باز رکھنا بھی ہے"۔ وہ محکمانہ ترقی کا متقاضی تھا، جو رد کر دی گئی، تو وہ ایک تلخ شخصیت بن گیا، جسے حکومتی حلقوں

(1) فرانس کی تاریخ کا ایک مشہور کیس۔ جس میں تعصب اور عدم انصاف برتا گیا تھا۔

میں ایک مرتبہ پھر سے معتبر بننے کے لئے کسی جواز یا کارکردگی کی ضرورت تھی، اور اس کام کے لئے ایک مشہور اداکارہ سے بہتر کون ہوسکتا تھا، جس سے اعلیٰ آفیسران کی بیگمات حسد رکھتی تھیں، اور اشرافیہ اس سے نفرت کرتی تھی، جبکہ وہی اشرافیہ، سالوں پہلے، اسے ایک دیوی کا درجہ دیتی تھی۔

لوگ ان اموات کا بھی اندازہ نہیں لگا سکتے جو وردن، مارن اور سوم کے مقامات پر ہو رہی ہیں__ ان اموات کو کسی بھی قسم کی فتح سے توجہ ہٹا کر دیکھنے کی ضرورت ہے، اور مسٹر لادو اس بات سے واقف ہے، اس نے اپنا جال اسی وقت بننا شروع کر دیا تھا جب اس نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ اس نے تم سے اپنی پہلی ملاقات کا احوال ان الفاظ میں لکھا:

"وہ میرے دفتر میں ایسے داخل ہوئی جیسے کوئی سٹیج پر نمودار ہوتا ہے، عالیشان لباس پہنے ہوئے، اردگرد گھوم کر، اس نے مجھے متاثر کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اسے بیٹھنے کا نہیں کہا، اس نے خود ہی کرسی لی اور میرے ڈیسک کے دوسری طرف بیٹھ گئی۔ یہ بتانے کے بعد کہ ہیگ میں جرمن قونصلر نے اس کے ذمے کیا کام لگایا، اس نے کہا کہ اب وہ فرانس کے لئے کام کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس نے میرے ان ایجنٹوں کا بھی تمسخر اڑایا جو اس کا پیچھا کرتے تھے، یہ کہتے ہوئے، 'کیا آپ کے وہ دوست جو، نیچے سیڑھیوں کے پاس کھڑے ہیں، ایک لمحے کے لئے، میرا پیچھا چھوڑ سکتے ہیں؟ جب کبھی میں اپنے ہوٹل کے کمرے سے باہر آتی ہوں، وہ میرے کمرے میں گھس جاتے ہیں اور پورا کمرہ الٹ پلٹ کر دیتے ہیں۔ میں ان کے بغیر کسی کیفے میں بھی نہیں جا سکتی، یہ میری قریبی میز پر براجمان ہوتے ہیں، جس سے میری دوستیاں خطرے میں پڑ گئی ہیں، کہ جنہیں بنانے میں مجھے طویل

عرصہ لگا۔اب میرے دوست میرے ساتھ نظر آنا پسند نہیں کرتے''۔

''میں نے اس سے پوچھا کہ وہ ہمارے ملک کی خدمت کیسے کرسکتی ہے۔اس نے بڑی تنگ مزاجی سے جواب دیا؛'آپ کو معلوم ہے کیسے۔ جرمنوں کے لئے میں H21 ہوں۔شائد فرانسیسی لوگ ملک کے لئے خفیہ طور پر کام کرنے والوں کا نام تجویز کرنے میں بہتر ذوق رکھتے ہیں'۔

''میں نے اس کی بات کا جواب ایسے دیا کہ میرے الفاظ کے دوہرے معانی تھے: 'ہم تمام لوگ جانتے ہیں کہ آپ جو کام بھی کرتی ہیں اس کا معاوضہ انتہائی زیادہ ہوتا ہے۔ اس کام کا کتنا معاوضہ ہوگا؟'

''سارے کا سارا یا کچھ بھی نہیں''، یہ تھا اس کا جواب۔

''جیسے ہی وہ میرے دفتر سے باہر گئی، میں نے اپنے سیکرٹری سے کہا کہ مجھے 'ماتا ہری دستاویز' لاکر دیں۔اس کا تمام مواد پڑھنے کے بعد — کہ جس کی لاگت محض ایک آدمی کے کام کے چند گھنٹے ہی تھی — میں نے اس میں کوئی الزام تراشی والی بات نہیں دیکھی۔ بظاہر، یہ عورت میرے ایجنٹوں سے بھی زیادہ تیز تھی اور یہ اپنی مذموم سرگرمیوں کو چھپانے میں کامیاب بھی تھی''۔

بالفاظ دیگر، اگرچہ تم ملزم بھی تھیں، انہیں تمہارے اوپر الزام تراشی کے لئے کوئی ٹھوس چیز نہیں مل سکی۔ایجنٹ تمہاری روزمرہ کی رپورٹیں جمع کرتے رہے؛ جب تم اپنے اس روسی بوائے فرینڈ کے ساتھ وِیتل چلی گئیں، جس کی آنکھیں جرمن فوج کی طرف سے پھینکی جانے والی مسٹرڈ گیس کے حملے میں زخمی ہوگئی تھیں تو، ان دنوں رپورٹوں کی جمع آوری محض حماقتوں پر مبنی تھی۔

جو لوگ ہوٹل میں موجود تھے وہ اسے ایک جنگ میں زخمی ہو جانے والے شخص کے ساتھ دیکھتے تھے، جو اس سے بیس سال چھوٹا تھا۔لیکن اس عورت کی پرجوش کیفیت اور

اس کے چلنے کا انداز، ہمیں یقین تھا کہ یہ منشیات کا استعمال کرتی ہے، ممکنہ طور پر مارفین یا کوکین۔

اس نے مہمانوں میں سے ایک شخص کو بتایا کہ وہ ڈچ شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک اور مہمان کو بتایا کہ نیولی (شہر) میں اس کی (محل نما) حویلی ہے۔

ایک مرتبہ جب ہم رات کے کھانے کے لئے گئے اور اپنے کام پر واپس آئے تو وہ ہوٹل کے بڑے ہال میں، نوجوانوں کے ایک گروپ کے لئے نغمہ سرائی کر رہی تھی، اور ہمیں، تقریباً، اس بات کا یقین ہے کہ اس کا واحد مقصد ان معصوم لڑکے اور لڑکیوں کو خراب کرنا تھا، جو یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ لوگ پیرس کے سٹیج کی عظیم فنکارہ کے ساتھ گنگنا رہے ہیں"۔

جب اس عورت کا عاشق دوبارہ محاذ جنگ پر چلا گیا تو وہ دو ہفتوں تک ویتل میں ہی مقیم رہی، وہ ہمیشہ چہل قدمی کرنے، دوپہر اور رات کا کھانا کھانے تنہا جاتی تھی۔ ہمیں اس کا کسی دشمن ایجنٹ سے رابطے کا کھوج نہیں مل سکا، لیکن کوئی بھی فرد، اپنے بل بوتے پر، کس طرح ایک، معدنی چشمے والے، ہوٹل میں قیام کر سکتا ہے جب تک اس کے کوئی مشکوک مقاصد نہ ہوں؟ تاہم یہ چوبیس گھنٹے ہماری نگرانی میں ہوتی تھی، اس نے ہماری نگرانی کو چکمہ دینے کا کوئی نہ کوئی طریقہ نکال لیا ہوگا۔

اور پھر اسی خاص وقت میں، پیاری ماتا ہری! ایک شرمناک ترین کام بھی ہوا۔ جرمن ایجنٹ بھی تمہاری نگرانی کر رہے تھے۔ جو زیادہ پھرتیلے اور چوکس تھے۔ جس دن تم کیپٹن لادو سے ملنے گئیں وہ لوگ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ تم دوہری ایجنٹ ہو۔ جب تم ویتل شہر میں گھوم رہی تھیں تو قونصل کریمر، جس نے تمہیں، ہیگ میں، بھرتی کیا تھا، اس کی برلن میں تفتیش جاری تھی۔ وہ لوگ، دوران تفتیش، اس سے، ان بیس ہزار فرانکس کا پوچھنا چاہ رہے تھے، جو ایک ایسی شخصیت کو دیئے گئے جس کی کارکردگی ایک روایتی جاسوس سے مختلف نہیں۔۔۔ عمومی طور پر چوکس اور بصری لحاظ سے نہ نظر آنے والی۔ اس

نے کیونکر ایک مشہور عورت کو بلا کر، اس جنگ میں جرمنی کی مدد کرنے کا کہا؟ کیا وہ خود تو فرانسیسیوں کے ساتھ سازباز میں شریک نہیں؟ ایسا کیونکر ہوا کہ اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ایجنٹ H21 نے ایک رپورٹ بھی جمع نہیں کرائی؟'' گا ہے بگا ہے ایجنٹ اس تک پہنچتے رہے — عمومی طور پر عوامی ٹرانسپورٹ میں — اور اس سے محض ایک ہی خبر کا تقاضا کرتے رہے، لیکن وہ بڑے ورغلانے کے سے انداز میں مسکرا دیتی اور کہتی کہ اسے ابھی کوئی ایسی چیز نہیں ملی۔''

تاہم میڈرڈ میں وہ تمہارا ایک خط حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جو تم نے جاسوسی کا سدباب کرنے والے ادارے کے سربراہ، مسٹر لادو کے نام لکھا جس میں تم نے ایک جرمن اعلیٰ آفیسر سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے، اس نے اپنی کھوج جاری رکھی اور تمہیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا:

''اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے اب تک کیا معلومات حاصل کیں، کیا میں نے نہ نظر آنے والی روشنائی میں کوئی پیغام بھیجا، کیا کوئی چیز راستے میں ضائع تو نہیں ہوئی۔ میں نے کہا نہیں۔ اس نے مجھ سے کسی ایک کا نام پوچھا اور میں نے اسے کہا کہ میں نے الفریڈ کیپرٹ کے ساتھ رات گزاری۔

''پھر اس نے غصے میں آ کر مجھے برا بھلا کہا اور بتایا کہ اسے اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں کہ میں نے کس نے ساتھ رات گزاری، اسے تو جو چیز درکار تھی وہ یہ کہ انگریز، فرانسیسی، جرمن، ڈچ اور روسی لوگوں کے ناموں سے صفحات کے صفحات بھر دیئے جائیں۔ میں نے اس کے جارحانہ انداز پر حوصلے سے کام لیا، اس کا غصہ جاتا رہا، اس نے مجھے سگریٹ پیش کئے۔ میں نے اپنے جسمانی

اعضاء اور اداؤں سے اسے ورغلانے کی کوشش کی، یہ سمجھتے ہوئے
کہ وہ ایک عورت کے سامنے بیٹھا ہے اور اس کا دماغ مٹر کے
دانے کے برابر ہے، بالآخر وہ بول اٹھا: 'میں اپنے رویے کے لئے
معذرت خواہ ہوں، میں تھکا ہوا ہوں۔ وقت کی ضرورت یہ ہے کہ
میں اپنی تمام تر توجہ یہ جاننے پر صرف کروں کہ جرمن اور ترک
مراکش کے ساحل پر اسلحہ اور بارود کی ترسیل کب اور کیسے کریں'۔
میں نے اس سے پانچ ہزار فرانکس بھی مانگے جو مسٹر کریمر کے
ذمے واجب الادا تھے؛ اس نے کہا کہ اس کے پاس یہ رقم دینے کا
اختیار نہیں۔ ہم ہیگ میں واقع جرمن قونصلیٹ سے کہیں گے کہ وہ
اس معاملے کو دیکھ لے۔ 'ہم وہی کچھ ادا کرتے ہیں جو ہمارے
ذمے واجب الادا ہو'، اس نے کہا''۔

بالآخر جرمنوں سے تعلقات (کے شبہات) کی تصدیق ہوگئی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ قونصل کریمر کا کیا ہوا لیکن ماتاہری یقیناً ایک دوہری ایجنٹ ہے۔ جس نے اس وقت تک کوئی معلومات فراہم نہیں کی ہے۔ ایفل ٹاور کے اوپر ریڈیو نگرانی کا آلہ نصب ہے، ان کے درمیان معلومات کا تبادلہ خفیہ زبان میں کیا گیا تھا جو پڑھنا ناممکن تھا۔ مسٹر لادو نے ان کی رپورٹیں پڑھی تھیں اور ان کی کسی بات کا یقین نہیں کیا تھا؛ میں نہیں جانتا کہ اس نے کسی کو اسلحہ بارود کی ترسیل کا مشاہدہ کرنے کے لئے مراکش کے ساحل پر روانہ کیا ہو۔ لیکن اچانک میڈرڈ سے برلن کی طرف ایک ٹیلی گرام بھیجا گیا جو خفیہ کوڈ میں تھا، اس کی رمز کشائی فرانسیسیوں نے پہلے ہی کر لی تھی اور یہ استغاثے کا مرکزی نکتہ تھا، باوجود اس کے کہ اس میں تمہارے فرضی نام کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔

ایجنٹ H21 کو مراکش کے ساحل پر سب۔ میرین کے پہنچنے کی

> ہدایت کی گئی تھی، اور اسے مارن (شہر) تک اسلحہ بارود کی ترسیل میں معاونت کرنی چاہیے، وہ پیرس کی طرف سفر کر رہی ہے، جہاں وہ کل پہنچ جائے گی۔

اب مسٹر لادو کے پاس، تم پر فرد جرم عائد کرنے کے مطلوبہ ثبوت موجود تھے۔ لیکن میں اتنا بے وقوف بھی نہیں کہ یہ سوچ لوں کہ محض ایک سادہ سا ٹیلی گرام فوجی عدالت کو تمہارے جرم ثابت کرنے کے لئے رضامند کرے گا، خاص طور پر جبکہ ڈریفس کیس ابھی لوگوں کے ذہنوں میں تازہ ہے؛ ایک بے گناہ شخص کا مواخذہ محض ایک تحریر کی وجہ سے کیا گیا، جس پر نہ تو دستخط تھے اور نہ ہی تاریخ۔ لہٰذا دیگر حربوں کی ضرورت تھی۔

کس چیز نے میرے قانونی دفاع کو عملی طور پر بے سود بنا دیا؟ ججوں، گواہوں اور الزام لگانے والوں کے علاوہ، کہ جنہوں نے پہلے سے ہی ایک نظریہ بنالیا تھا، تم نے بھی تعاون نہیں کیا۔ میں تم پر الزام تراشی نہیں کر سکتا، لیکن پیرس آنے کے بعد، ہمیشہ جھوٹ بولنے کے تمہارے مزاج نے۔ تمہارے ان بیانات کو مشکوک بنا دیا جو تم نے مختلف مجسٹریٹوں کے سامنے دیئے۔ استغاثہ جو تفصیلات سامنے لے کر آیا اس سے ثابت ہو گیا کہ تم ڈچ شرق الہند میں پیدا نہیں ہوئی تھیں، اور نہ ہی تمہاری تربیت انڈونیشیا کے پادریوں نے کی، تم کنواری بھی نہیں تھیں اور یہ کہ تم نے خود کو جوان اور کم عمر ثابت کرنے کے لئے پاسپورٹ کے ریکارڈ میں بھی رد و بدل کیا۔ عام حالات میں ان چیزوں پر کوئی غور نہیں کرتا، لیکن جنگی ٹریبونل میں تم فضاء میں بھی بموں کی آوازیں سن سکتی ہو۔

لہٰذا ہر مرتبہ میں نے تمہارا دفاع کچھ یوں کہہ کر کرنے کی کوشش کی "وہ جیسے ہی پیرس پہنچی، تو مسٹر لادو کو تلاش کرتی ہوئی اس کے پاس آ گئی"، جبکہ اس نے (ہمیشہ) اپنا دفاع یہ کہہ کر کیا کہ تمہارا اس کے پاس آنے کا مقصد مزید رقم حاصل کرنا اور اپنی اداؤں سے اسے لبھانا ہوتا تھا۔ یہ بات ناقابل معافی تکبر کو ظاہر کرتی ہے؛ وہ کیپٹن، جو چھوٹے قد کا مالک اور وزن میں تم سے دُگنا ہے، یہ سوچتا تھا کہ تم سزا کی حقدار ہو...... کہ تم نے اسے جرمنوں کے ہاتھ کا کھلونا سمجھ رکھا تھا۔ اس حقیقت کو مزید تقویت دینے کے لئے وہ زپّیلن والے حملے کے حقائق سامنے لے آیا جو تمہارا پیرس پہنچنے سے پہلے ہوا تھا — اس حملے میں

دشمن کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا کیونکہ یہ کسی فوجی تنصیب کو نقصان نہیں پہنچا سکا تھا۔ لیکن مسٹر لادو کیلئے یہ ایسا ثبوت تھا جسے ردّ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

تم انتہائی حسین و جمیل تھیں، پوری دنیا میں جانی پہچانی جاتی تھیں، رشک و حسد کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں — اگرچہ تعظیم نہیں کی جاتی تھی۔ خاص طور پر ان کنسرٹ ہالز میں جہاں تم جلوہ گر ہوتی تھیں۔ جو تھوڑا بہت میں جانتا ہوں اس کی رو سے، جھوٹے وہ لوگ ہوتے ہیں جو شہرت حاصل کرتے ہیں اور اپنی پہچان بناتے ہیں۔ سچائی کا سامنا ہونے کے باوجود بھی وہ فرار کا کوئی راستہ تلاش کرتے ہیں، بڑے اطمینان سے ان الفاظ کو دوہرا کر جو انہوں نے سنے، یا الزام تراشی کرنے والے پر جھوٹ کا بہتان باندھ کر۔ میں یہ بات اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں کہ تم اپنے بارے میں بے بنیاد کہانیاں گھڑنا چاہتی تھیں، یا تو عدم تحفظ کی بناء پر یا اپنی ایک نمایاں قسم کی خواہش پر کہ تمہیں ہر قیمت پر چاہا جانا چاہیے۔ میں یہ بھی سمجھ سکتا ہوں کہ بہت سے مردوں سے کام نکلوانے کے لئے، جو خود بھی کام نکالنے کے ماہر ہوتے ہیں، کہانیاں گھڑنے کی ضرورت تو پڑتی ہے۔ یہ قابل معافی تو ضرور ہے لیکن یہ ایک حقیقت بھی ہے؛ اسی چیز نے تمہیں وہاں لا کھڑا کیا جہاں آج تم ہو۔

میں نے سنا ہے کہ تم کہا کرتی تھیں کہ تم نے قیصرِ جرمنی کے بیٹے ''شہزادہ و......'' کے ساتھ رات گزاری ہے۔ میرے بھی جرمنی میں بہت تعلق دار ہیں اور وہ تمام لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ تم اس محل کے سو مربع کلومیٹر کے علاقے میں بھی نہیں گئیں کہ جہاں وہ جنگ کے دنوں میں مقیم تھا۔ تم نے یہ بھی شیخی بھگاری کہ تم جرمن ہائی کمیشن کے بہت سے افراد کو جانتی ہو؛ تم نے یہ بات بلند آواز میں کی تا کہ تمام لوگ سن سکیں۔

عزیزم ماتا ہری!

جو حقیقی معنوں میں جاسوس ہوتے ہیں کیا وہ اس طرح کی سفا کی دشمن کے سامنے بیان کرتے ہیں؟ لیکن لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروانے کی تمہاری خواہش، اور وہ

بھی ایسے وقت میں جب تمہاری شہرت رو بہ زوال تھی، نے معاملات کو پیچیدہ تر کر دیا۔

جب تم عدالت کے روبرو کھڑی تھیں تو وہ لوگ جھوٹ بول کر کام چلا رہے تھے، لیکن میں ایک ایسی عورت کا دفاع کر رہا تھا جسے عوامی سطح پر رڈ کر دیا گیا تھا۔ ابتداء ہی سے استغاثے (مدعی) کی طرف سے لگائے گئے الزامات بڑے دردانگیز تھے، جن سچی باتوں میں تم نے جھوٹ کی آمیزش کی، انہوں نے اسی کا تانا بانا بننا شروع کر دیا تھا۔ جب انہوں نے مجھے (مقدمے کی) دستاویزات بھیجیں تو میں انہیں دیکھ کر گنگ ہو گیا تھا، بالآخر تمہیں سمجھ آئی کہ تم مشکل میں ہو اور تم نے میری خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔

استغاثے میں درج کچھ الزامات یہ ہیں:

1. زیل میکلوڈ کا تعلق جرمن خفیہ ایجنسی سے ہے جہاں اس کا (خفیہ) نام H21 ہے۔ (درست)۔
2. جنگ شروع ہو جانے کے بعد وہ دو مرتبہ فرانس گئی، یقیناً اپنے آقاؤں کی ہدایت پر، تاکہ دشمن کی خبریں حاصل کر سکے۔ (مسٹر لادو کے آدمی 24 گھنٹے تمہاری نگرانی کرتے تھے۔۔۔ تم نے یہ کام کیسے کر لیا؟)۔
3. دوسری مرتبہ فرانس آنے کے بعد، اس نے اپنی خدمات فرانسیسی خفیہ ایجنسی کو پیش کرنے کا کہا، اس نے یہ تمام معلومات جرمنی کے خفیہ ادارے تک بھی پہنچائیں۔ (یہاں دو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں: تم نے میٹنگ کرنے کے لئے ہیگ سے فون کیا؛ مسٹر لادو سے تمہاری ملاقات تمہارے پہلے سفر پر ہوئی اور جرمنی کی خفیہ ایجنسی کو راز فراہم کرنے کا کوئی ثبوت فراہم نہیں کیا گیا۔)
4. جب وہ جرمنی واپس آئی تو اس کا جواز یہ بتایا گیا تھا کہ وہ وہاں سے اپنے کپڑے لینے جا رہی ہے جو وہاں رہ گئے تھے، لیکن وہ وہاں سے خالی ہاتھ لوٹی، اور برطانوی خفیہ ایجنسی کے ہاتھوں گرفتار ہوئی، اور اس پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا۔ اس نے

انہیں یہ بات یاور کرائی کہ وہ کیپٹن لادو سے رابطے میں ہے لیکن کیپٹن نے اس کی شناخت کرنے سے انکار کیا۔ اس روکنے کی کوئی مناسب وجہ یا شہادت کے بغیر اسے ہسپانیہ بھیج دیا گیا، فوراً ہی ہمارے آدمیوں نے دیکھا کہ وہ جرمن قونصلیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ (درست)۔

یہ ظاہر کر کے کہ اس کے پاس کوئی خفیہ اطلاع ہے، اس نے فوراً خود کو میڈرڈ میں واقع فرانسیسی قونصلیٹ میں پیش کیا، اور کہا کہ اس کے پاس اطلاع ہے کہ دشمن فوجوں کے لئے اسلحہ کی ترسیل ہو رہی ہے، ترک اور جرمن یہ کام اس وقت مراکش کے ساحل پر کر رہے ہیں۔ ہم پہلے ہی، ایک دوہری ایجنٹ کی حیثیت سے، اس کے کردار سے واقف تھے، لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا کہ اس مشن پر کسی بھی شخص کو بھیج کر خطرہ مول نہ لیا جائے، ہوسکتا ہے اس میں کی جانے والی نشاندہی کسی قسم کا جال ہی ہو......(؟؟؟؟)

اور اسی طرح کے کئی اور نکات؛ بلکہ مغالطے میں ڈال دینے والے نکات کی سیریز، جو شمار کرنے کے قابل بھی نہیں، وہ اس ٹیلی گرام میں موجود تھے جنہیں اوپن چینل کے ذریعے—یا خفیہ کوڈ کے ذریعے— بھیجا گیا، اور اسی قسم کا مواد اکٹھا کر کے ایک ایسی عورت کے ذمے ڈال دیا گیا، کہ جس کے بارے میں مسٹر کریمر نے اپنے تفتیش کنندہ کے سامنے اعتراف کیا کہ ''اسے اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر جاسوسی کے لئے منتخب کرنا ہمارے بھونڈے انتخاب میں سے بھی بدترین تھا''۔ کیپٹن لادو نے تو یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ تم نے خود H21 نام چنا تھا جبکہ تمہارا اصل خفیہ نام H44 تھا، جس نے اینٹورپ، ہالینڈ میں قائم جاسوسی کے مشہور سکول فرولین دوکتر شر گمولر سے تربیت حاصل کی۔

جنگ میں پہلا خون تو عزتِ نفس کا ہوتا ہے۔ تمہیں گرفتار کرنے کا مقصد، جیسے میں نے پہلے کہا تھا، فرانسیسی فوج کی بھرتی اور کارکردگی دکھانا اور محاذ جنگ میں مارے جانے

والے فوجی جوانوں کی طرف سے توجہ ہٹانا تھا۔ امن کے دنوں میں کوئی شخص بھی اس طرح کے مغالطوں کو ثبوت کے طور پر تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن جنگ کے دنوں میں ایسے ''انصاف'' کی ضرورت تھی کہ تمہیں اگلے روز ہی گرفتار کرلیا جائے۔

سسٹر پولائن، جس نے ہمارے درمیان پُل کا کام کیا، مجھے ان باتوں سے آگاہ رکھتی ہیں جو جیل میں ہوتی رہتی ہیں۔ ایک مرتبہ اُس نے، ذرا ہچکچاتے ہوئے بتایا، کہ اسے کہا گیا تھا کہ وہ تمہاری البم دیکھے، اس میں ہر وہ چیز جو تمہارے بارے میں شائع ہوئی۔

''یہ میں ہی تھا جس نے اس سسٹر کو منع کیا تھا، ایسا نہیں کرنا، کہیں تم (ماتا ہری) پر یہ الزام نہ لگ جائے کہ اس نے ایک، انتہائی سادہ نن (سسٹر) کو گمراہ کرنے کی کوشش کی تھی''۔

میں کون ہوتا ہوں یہ کہنے والا؟ لیکن اس دن سے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں، تم سے متعلق، ایک البم اپنے پاس رکھوں گا، اگرچہ میں نے اپنے کسی بھی موکل کے لئے یہ کام پہلے کبھی نہیں کیا۔ پورا فرانس تمہارے کیس میں دلچسپی رکھتا ہے، اور اخبارات میں ان کالموں کی کمی نہیں جو اس خطرناک جاسوس کے بارے میں لکھے گئے ہیں جسے سزائے موت سنادی گئی ہے۔ ڈریفس کے معاملے کے برعکس، تمہاری جان بچانے کے لئے، نہ تو کوئی رٹ دائر کی گئی ہے اور نہ، عوامی سطح پر، کسی قسم کا احتجاج ہوا ہے۔

میری البم میرے سامنے ہے اور اس کا وہ صفحہ کھلا ہوا ہے جہاں ایک اخبار نے بڑی تفصیل سے بتایا تھا کہ ٹرائل سے اگلے روز کیا ہوا تھا۔ مجھے اس آرٹیکل میں صرف ایک غلطی دکھائی دی ہے اور وہ تمہاری قومیت کے بارے میں ہے۔



اس بات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کہ تھرڈ وار کونسل، اس وقت، اس (خاتون) کا کیس نمٹا رہی ہے— یا اس بات کی ظاہر داری کرتے ہوئے کہ وہ اس چیز سے بالکل بھی پریشان نہیں کہ جو ہو رہا ہے، کیونکہ وہ خود کو نیکی اور بدی سے بالا ایک خاتون تصور کرتی ہے، اور فرانسیسی خفیہ ایجنسی کے اقدامات کو بھی بخوبی جانتی ہے— روسی نژاد ماتا ہری وزارت خارجہ گئی تا کہ اسے اپنے بوائے فرینڈ سے ملاقات کی خاطر جنگی محاذ پر جانے کی اجازت مل سکے، کہ جس شخص کی آنکھیں شدید زخمی ہو گئی تھیں اور اس کے باوجود وہ جنگ لڑنے پر مجبور تھا۔ اس خاتون نے اپنا مقام وردن (شہر) ظاہر کیا، ایک چال کے طور پر، تا کہ یہ تاثر دیا جا سکے کہ اسے بالکل بھی معلوم نہیں کہ مشرقی محاذ پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اسے بتایا گیا تھا کہ جن دستاویزات پر اس سے پوچھ گچھ کی جانی ہے وہ ابھی نہیں پہنچے، اور یہ کہ وزیر محترم خود ان امور کے انچارج ہیں۔

گرفتاری کے وارنٹ، ختم ہو جانے والے سیشن کے آخر میں حوالے کئے گئے، جہاں رپورٹروں کا داخلہ بند تھا۔ جیسے ہی اس کیس کی کارروائی مکمل ہو گی، کیس کی تمام تر تفصیلات عوام کیلئے فراہم کر دی جائیں گی۔

وزیر جنگ نے تین دن پہلے وارنٹ گرفتاری جاری کر کے پیرس کے فوجی گورنر کو روانہ کر دیئے ہیں۔ آفس Q 3455SCR-10- لیکن ابھی انتظار کرنا ہو گا، یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا اس وارنٹ کو جاری کرنے سے پہلے الزام کو حتمی شکل دی گئی تھی۔

پانچ افراد کی ایک ٹیم، جس کی قیادت تھرڈ وار کونسل کے استغاثہ کنندہ کر رہے تھے، فوراً ہوٹل ایلیسی پیلیس کے کمرہ نمبر131 میں پہنچے اور دیکھا کہ مشتبہ خاتون، ریشمی گاؤن پہنے، ناشتہ کر رہی تھی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ اس وقت ناشتہ کیوں کر رہی ہے؟ تو اس نے بتایا کہ اسے علی الصبح اٹھ کر وزارت اُمور خارجہ جانا پڑا تھا اور اس وقت اس کا بھوک سے برا حال ہے۔

جب انہوں نے ملزمہ سے کپڑے تبدیل کر کے تیار ہونے کا کہا تو انہوں نے، اس دوران، اپارٹمنٹ کی تلاشی لی اور وہاں بے تحاشہ سامان پایا، زیادہ تر خواتین کے استعمال کی چیزیں اور کپڑے۔ انہیں ویتل سفر کرنے کے لئے ایک پرمٹ اور فرانس میں اجرت پر کام کرنے کا اجازت نامہ بھی ملا جس پر 13 دسمبر 1915ء کی تاریخ درج تھی۔

اس (خاتون) نے دعویٰ کیا کہ یہ سب کچھ غلط فہمی میں ہو رہا ہے اور اس نے یہ بھی تقاضا کیا کہ ان تمام چیزوں کی مکمل فہرست تیار کی جائے کہ جو کچھ وہ اس کمرے سے لے کر جا رہے ہیں، تا کہ اگر وہ یہ چیزیں اس کمرے میں، اسی ترتیب کے ساتھ، دوبارہ واپس نہیں رکھتے تو وہ ان لوگوں پر ہرجانے کا دعویٰ کر سکے۔

صرف ہمارے اخبار کو، اپنے خفیہ ذریعے سے، رسائی حاصل ہوئی کہ وہ یہ جان سکے اس (خاتون) کی تھرڈ وار کونسل کے استغاثہ دائر کرنے والے کیپٹن پیئر بش آردون سے ملاقات میں کیا کارروائی ہوئی۔ ہمارا یہ ذریعہ ہمیں اس بات سے مطلع کرتا رہتا ہے کہ ان لوگوں کا کیا ہوا جو (خفیہ طور پر) ملک میں داخل ہوئے اور بعد ازاں بے نقاب ہوئے۔ اس ذریعے کے مطابق — جس نے ہمیں مکمل نقل نویسی فراہم کر دی ہے — کیپٹن بش آردون نے (خاتون) پر لگائے گئے الزامات کی فہرست اسے تھما دی اور اسے پڑھنے کے لئے کہا۔ جب اس نے وہ پڑھ لئے تو کیپٹن نے اس سے پوچھا کہ کیا اسے وکیل کی ضرورت ہے، جس سے خاتون نے صاف انکار کر دیا، اور جواب میں کہا:

''لیکن میں بے گناہ ہوں! کوئی شخص میرے ساتھ مذاق کر رہا ہے، میں تو فرانسیسی خفیہ ایجنسی کیلئے کام کرتی ہوں، جب وہ مجھے کسی کام کیلئے کہتے ہیں، جو کہ عموماً نہیں ہوتا''۔

کیپٹن بش آردون نے اسے ایک دستاویز پر دستخط کرنے کا کہا، جو ہمارے اسی ذریعے نے تحریر کیا تھا، خاتون نے رضامندی سے اس پر دستخط کر دیئے۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ وہ اسی شام اپنے ہوٹل کے آرام دہ کمرے میں واپس چلی جائے گی، فوراً ہی اپنے حلقہ احباب سے رابطہ کرے گی اور جوان غلط فہمیوں کو دور کر دیں گے جن کا اس پر الزام لگا۔

جیسے ہی اس نے استغاثے پر دستخط کیئے، اس جاسوس (خاتون) کو سینٹ لیزار جیل لے جایا گیا، جو ہسٹریا کی کیفیت میں ایک ہی بات دوہرائے جا رہی تھی، ''میں بے گناہ ہوں!، میں بے گناہ ہوں! جبکہ ہم مستغیث سے ایک خصوصی انٹرویو کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

''وہ اتنی حسین و جمیل عورت تو نہیں، جس طرح ہر کوئی دعویٰ کرتا ہے'' اس نے کہا، ''بلکہ اس کی بے رحمی، کسی بھی کام کر گزرنے سے عدم گریز، اسے مردوں سے مفادات اٹھانے اور انہیں تباہ کرنے کی طرف لے گیا، جس کی وجہ سے ایک خودکشی بھی کی گئی۔ جو شخصیت میرے سامنے موجود تھی وہ ایک مکمل جاسوس ہے''۔

وہاں سے ہماری ٹیم سینٹ لیزار جیل روانہ ہوئی، جہاں دیگر صحافی پہلے سے موجود تھے جو جیل کے ڈائریکٹر جنرل سے گفتگو کرنا چاہتے تھے۔ ہمیں محسوس ہوا کہ وہ کیپٹن بش آردون، اور ہمارے بھی، نظریے کو دوہرانا چاہتا تھا کہ ماتا ہری کا حسن وقت گزرنے کے ساتھ گہنا گیا ہے۔

''اب صرف وہ اپنی تصاویر میں ہی حسین ہے''، اس نے کہا۔

''اس نے ایک لمبے عرصے تک عیش و عشرت اور ورغلانے والا انداز زندگی اپنائے

رکھا، لیکن جو عورت آج یہاں لائی گئی ہے، اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے، اس کے بال جڑوں سے، بے رنگ دکھائی دے رہے تھے اور اس کا عجیب روّیہ تھا۔ وہ کچھ بھی نہیں کہہ رہی تھی سوائے ایک بات کے 'میں بے گناہ ہوں!' وہ چلاّ رہی تھی، ایسے جیسے وہ اس زمانے میں موجود ہو جب عورتیں، اپنی فطرت کی وجہ سے، اپنے روّیوں پر، مناسب طریقے سے قابو نہیں پا سکتی تھیں۔ میں اپنے چند دوستوں کی بدذوقی پر حیران ہوں جن کے اس عورت سے دیرینہ مراسم ہیں"۔

جیل کے ڈاکٹر مسٹر جیولز سوکے نے اس بات کی تصدیق کی کہ اسے کوئی مرض لاحق نہیں۔ اسے بخار نہیں، اس کی زبان سے اس بات کے شواہد نہیں ملے کہ اس کا معدہ خراب ہے، اس کے پھیپھڑوں کی آواز اور دل کی دھڑکن سے کسی بیماری کے آثار نمایاں نہیں۔ اور ڈاکٹر نے تجویز دی کہ اسے جیل کی مخصوص کوٹھڑیوں میں سے ایک میں رکھا جائے، جیل کے اس حصے کی انچارج سسٹرز کو کہنے کے بعد، اور اسے (عورتوں کے) مخصوص پیڈز دیئے جائیں کہ یہ قیدی عورت، مخصوص ایام کے مرحلے سے گزر رہی ہے۔

پھراس کے بعد، ہاں بالکل اس کے بعد، ہی ہوا، ان لوگوں کی تفتیشوں کے بعد جنہیں ہم ''تور کیادہ ڈی پیرس'' کہتے ہیں، تم نے مجھ سے رابطہ کیا تھا اور میں تم سے ملنے سینٹ لیزار جیل گیا تھا۔ لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی؛ تم بہت سے بیانات دے چکی تھیں، اوران بیانات کی روشنی میں، اس شخص نے تمہیں الجھا لیا تھا کہ جس کے ساتھ، جیسا کہ آدھا پیرس جانتا ہے، اپنی ہی بیوی نے بے وفائی کی تھی۔ اس طرح کا آدمی، عزیزم ماتا ہری! ایک خونخوار جانور کی طرح ہوتا ہے جو انصاف کی بجائے انتقام پر یقین رکھتا ہے۔

میرے آنے سے پہلے تم نے جو (عدالتی) بیانات دیئے ہیں، انہیں پڑھنے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ تم اپنی بے گناہی ثابت کرنے سے زیادہ اپنی اہمیت جتانے میں دلچسپی رکھتی تھیں۔ تم نے اپنے طاقتور دوستوں، اپنی عالمی سطح پر کامیابی اور تماشائیوں سے بھرے ہوئے تھیٹروں سے متعلق گفتگو کی ہے اور یہ گفتگو اس کے بالکل برعکس ہے جو تمہیں کرنی چاہیے تھی، تمہیں یہ ظاہر کرنا چاہیے تھا کہ تم ایک شکار بنی ہو، کیپٹن لادو کی جگہ قربانی کا بکرا، کہ اس شخص نے اپنے ہم منصبوں سے لڑائی میں تمہیں استعمال کیا تا کہ جاسوسی کا سدباب کرنے والے ادارے کی جنرل مینجمنٹ سنبھال سکے۔

سسٹر پولین نے مجھے بتایا کہ جب تم جیل کوٹھڑی میں واپس آئیں تو تم بے چین ہو کر چلا رہی تھیں اور تم نے کئی راتیں جاگ کر گزاریں۔ وہ بھی چوہوں کے خوف سے، جن کی اس جیل میں بہتات ہے۔ آج کل یہ حربہ ان لوگوں کی ہمت توڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو خود

کو مضبوط تصور کرتے ہیں — تمہارے جیسی عورت۔ اس (مسٹر) نے مجھے بتایا کہ اس چیز کا خوف تمہیں، مقدمے کی کارروائی سے پہلے ہی، پاگل کر دے گا۔ تمہیں ایک سے زائد مرتبہ الزام قبول کرنے کا کہا گیا، کیونکہ تمہیں جیل کوٹھڑی میں تنہا ہی رکھا گیا تھا، تمہارا کسی کے ساتھ رابطہ نہیں تھا؛ صرف جیل کے ہسپتال میں، اپنے محدود وسائل کے باوجود، تمہیں اس بات کی مہلت ملی کہ تم کسی سے بات کرسکو۔

اسی دوران تمہارے مدعیان مایوس ہونا شروع ہو گئے کیونکہ انہیں تمہارے سامان میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو تم پر لگائے گئے الزامات کو درست ثابت کر سکے؛ انہیں سب سے زیادہ دلچسپی تمہارے پرس میں دکھائی دی جس میں بے شمار بزنس کارڈز تھے۔ بش آردون نے حکم دیا کہ ان تمام معززین — جو کئی سالوں تک تمہاری توجہ حاصل کرنے کی استدعا کرتے رہے — کا فرداً فرداً انٹرویو کیا جائے، ان تمام لوگوں نے تمہارے ساتھ کسی بھی قسم کے دیرینہ تعلق سے انکار کر دیا۔

استغاثے کے ایک اور وکیل ڈاکٹر مورنے کے دلائل انتہائی بوریت کے حامل تھے۔ ایک مقام پر پہنچ کر، ثبوت کی عدم موجودگی میں، اس نے بتایا:

> ''زیل ایک خطرناک قسم کی عورت ہے کہ جسے ہم آج کل دیکھ رہے ہیں، وہ اپنے بارے میں جس آسانی سے مختلف زبانوں میں۔ خاص طور پر فرانسیسی میں — گفتگو کرتی ہے، تمام ترشعبوں میں اس کے تعلقات، سماجی حلقوں میں اس کا گھلنا ملنا، اس کا رکھ رکھاؤ، اس کی غیر معمولی ذہانت، اس کی بے راہ روی، یہ تمام باتیں اسے انتہائی مشکوک شخصیت بنا دیتی ہیں''۔

یہ بات بھی بہت دلچسپ ہے کہ کیپٹن لادو نے بھی آخر میں آ کر تمہارے حق میں ہی لکھ دیا؛ اس کے پاس ''تورکو ماداڈی پیرس'' کو دکھانے کے لئے کچھ نہیں تھا، اس نے



مزید کہا:

"یہ بات عیاں ہے کہ وہ ہمارے دشمن کی خدمت پر مامور تھی، لیکن تمہیں یہ بات ثابت کرنی ہے اور میرے پاس یہ ثابت کرنے کے لئے کوئی چیز بھی نہیں، اگر تمہیں اس سے پوچھ گچھ کے لئے مضبوط ثبوت درکار ہیں تو بہتر ہے کہ تم وزارت جنگ جاؤ، جس کے پاس اس طرح کی دستاویزات ہیں۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، تو میں اس بات کا قائل ہوں کہ (اس وقت) جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں، ان حالات میں اگر کوئی شخص سفر کرتا ہے تو اس کے کئی آفیسران سے تعلقات ہیں، یہی ثبوت کافی ہے، اگرچہ کوئی لکھی ہوئی چیز موجود نہیں اور نہ ہی یہ دلیل جنگی عدالتوں میں قابل قبول ہوتی ہے"۔

میں بہت تھک چکا ہوں، میں تذبذب کی کیفیت میں ہوں؛ میں سوچ رہا ہوں کہ میں یہ خط تمہیں لکھ رہا ہوں، جو میں تمہیں بھیج دوں گا اور ہمارے پاس، ابھی بھی، وقت ہوگا کہ ہم اکٹھے بیٹھ کر ماضی میں دیکھیں، اپنے زخم مزمل کریں، اور اس قابل ہوں، کسے معلوم، کہ ہم یہ سب کچھ اپنی یادداشت سے محو کر سکیں؟

لیکن، درحقیقت، میں یہ سب کچھ اپنے لئے لکھ رہا ہوں، خود کو قائل کرنے کے لئے کہ میں نے ہر وہ کام کیا جو ممکن تھا اور تصور میں لایا جا سکتا تھا؛ پہلے تو تمہیں سینٹ لیزار جیل سے باہر لانے کے لئے؛ پھر تمہاری زندگی بچانے کی تگ و دو کرتے ہوئے؛ اور آخر میں ممکنہ طور پر، ایک کتاب لکھ کر جس میں وہ ناانصافی بتائی جائے کہ جس کا شکار تم ہوئیں، اور تمہارا گناہ ایک عورت ہونا، اس سے بڑھ کر آزاد عورت ہونا، حاضرین سٹیج کے سامنے بے لباس ہو جانا، یہ خطرناک گناہ کرنا کہ ایسے مردوں سے تعلقات استوار کرنا کہ جن کی ساکھ کو ہر ہر قیمت پر بچانے کی ضرورت تھی۔ یہ صرف اس صورت میں ہی ممکن تھا کہ جب تم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فرانس سے یا دنیا سے چلی جاتیں۔ یہاں ان خطوط اور پیغامات کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جو میں نے بش آردون کو بھجوائے، ہالینڈ کے قونصل سے ملنے کی میری کاوشیں، اور نہ ہی مسٹر لادو کی غلطیوں کی فہرست کا ذکر کرنا ہے۔ جب اس تفتیش کو، ثبوتوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے، رُک جانے کا خدشہ ہوا تو مسٹر لادو نے پیرس کے فوجی گورنر کو مطلع کیا کہ اس کے قبضے میں جرمن ٹیلی گرام آئے ہیں — کُل اکیس دستاویزات — جو تمہیں حتمی

طور پر مجرم ثابت کر دیں گی۔ اور ان ٹیلی گراموں میں ہے کیا؟ وہ حقیقت جو تم نے مسٹر لادوکو بتا دی جب تم پیرس پہنچیں تھیں کہ تمہیں تمہارے کام کا معاوضہ دیا گیا تھا، اور یہ کہ تم نے مزید رقم کا تقاضا کیا تھا، اور یہ کہ اشرافیہ کے حلقوں میں تمہارے چاہنے والے ہیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں، قطعاً کچھ نہیں، نہ تو اس میں ہمارے (ملک کے) کام سے متعلق کوئی خفیہ معلومات ہے اور نہ ہی ہماری فوج کی نقل وحرکت سے متعلق کوئی خبر۔

بدقسمتی سے میں بش آردون سے ہونے والی گفتگو (کے سیشنز) میں موجود نہیں تھا کیونکہ "نیشنل سیکورٹی لاء" کا نفاذ ہو چکا تھا اور بہت سے سیشنز میں وکیل صفائی کو آنے کی اجازت نہیں تھی ___ "نیشنل سیکورٹی" کے نام پر ایک قانونی انحراف کا جواز بنایا گیا تھا۔ لیکن اعلیٰ عہدوں پر فائز میرے دوستوں نے کیپٹن لادو کو تم سے، ترش انداز میں، سوالات کرتے سُنا ہے، جب تم نے اسے یہ کہا کہ تم نے اس کی بات پر یقین کر لیا جب اس نے تمہیں رقم دینے کی آفر کی اور ایک ڈبل ایجنٹ کے طور پر کام کرنے اور فرانس کے لئے جاسوسی کرنے کا کہا۔ اس نہج پر پہنچ کر جرمنوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ صرف تمہیں خطرے میں ڈالنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن جو کچھ ہمارے ملک میں ہو رہا ہے، اس کے برعکس، وہ اب ایجنٹ H21 کو بھول چکے ہیں اور انہوں نے اپنی تمام تر توجہ اتحادی افواج کے حملے روکنے پر مرکوز کی ہوئی ہے، جو ان کا حقیقی مسئلہ ہے: افراد، مسٹرڈ گیس اور بارود۔

میں اس جیل کی حالت اور شہرت سے بھی واقف ہوں جہاں میں، علی الصبح، تم سے آخری ملاقات کرنے آ رہا ہوں۔ یہ جیل پہلے، کوڑھیوں کو رکھنے کی ایک کالونی تھی، پھر اسے مسافر خانہ بنا دیا گیا۔ پھر انقلاب فرانس کے دوران اسے قید خانے اور سزائے موت دینے کی جگہ کے طور پر تبدیل کر دیا گیا۔ صحت وصفائی کے انتظامات ناپید ہیں، جیل کوٹھڑیاں ہوادار نہیں، اور حبس کی وجہ سے بیماریاں پھیلتی ہیں کیونکہ ہوا کی گردش ممکن نہیں۔ اس جیل

میں زیادہ تر کسبی اور بازاری عورتیں ہیں اور وہ لوگ بھی جن کے خاندان کے افراد ان پر سختی کرواتے ہیں تا کہ ان لوگوں کو ''راہ راست'' پر لایا جا سکے۔ یہ جیل ان ڈاکٹروں، طبیبوں کے لئے ایک تجربہ گاہ بھی ہے جو انسانی روّیے سے متعلق علوم میں دلچسپی رکھتے ہیں، باوجود اس بات کے کہ ان میں سے ایک نے لکھا:

''یہ نوجوان عورتیں طب اور اخلاقیات میں دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہیں — یہ چھوٹی مخلوق اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتیں کیونکہ یہ ایسے خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں جن کے سرپرست آپس میں برسرپیکار ہیں، انہیں انتہائی کم عمری میں، یہاں تک کہ سات یا آٹھ سال کی عمر میں ہی یہاں بھیج دیا جاتا ہے، اور انہیں بھیجنے کا بہانہ ''اصلاح سازی'' ہوتا ہے جس کے متمنی والدین ہوتے ہیں، یہ بچیاں اپنا بچپن اور لڑکپن بدمعاشوں، بازاری عورتوں اور بیماریوں سے گھرے ہوئے ماحول میں گزارتی ہیں تاوقتیکہ انہیں اٹھارہ یا بیس سال کی عمر میں رہا کر دیا جاتا ہے، جب ان میں زندہ رہنے کی یا گھر واپس جانے کی آرزو ہی باقی نہیں رہتی''۔

آج کل، آپ ہی کے ساتھ ایک اور عورت بھی جیل میں قید ہے جسے لوگ ''خواتین کے حقوق کی جنگ کرنے والی'' کہتے ہیں، اس سے بدتر بات یہ ہے کہ اُسے ''صلح جو''، ''شکست آمادہ''، اور ''غدار'' بھی کہتے ہیں۔ اس قیدی عورت کا نام ھیلن بریون[1] ہے۔ اس پر لگائے گئے الزامات بھی تمہارے اوپر لگائے گئے الزامات جیسے ہیں: جرمنی سے رقم وصول کرنا، سپاہیوں اور اسلحہ سازوں سے روابط رکھنا، یونینوں کی سربراہی کرنا، مزدوروں پر کنٹرول ہونا، خفیہ طور پر اخبارات چھاپنا جس میں اس بات کا اظہار کرنا کہ عورتوں کو بھی وہی

(1) ھیلن بریون (1882-1962ء) فرانس میں حقوق نسواں کی علمبردار، سربراہ ٹیچرز یونین۔

حقوق حاصل ہیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔

ھیلن کا انجام بھی وہی ہو سکتا ہے جو نمہارا ہے، اگرچہ مجھے ذاتی طور پر معاملہ کچھ مختلف دکھائی دیتا ہے، کیونکہ وہ فرانس کی شہری ہے، اس کے، اخبارات سے تعلق رکھنے والے، بااثر دوست ہیں، اور اس نے کبھی وہ "ہتھیار" استعمال نہیں کیا جسے تمام اخلاق پسند لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، وہ جو کسی کو دانتے کی (بتلائی گئی) دوزخ کا مکین بنا دیتی ہے: دعوت گناہ۔ مادام بریون مردانہ لباس پہنتی ہے اور اس پر فخر کرتی ہے۔ مزید یہ کہ اس پر غداری کے مقدمے کی سماعت فرسٹ وار کونسل نے کی ہے، جس کا ریکارڈ اس ٹریبونیل سے بہتر ہے جس کی سربراہی بش آردون کر رہا ہے۔

بے دھیانی میں میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے گھڑی کی طرف دیکھا، ابھی تین گھنٹے باقی تھے کہ جب میں اس بدبخت جیل جا کر تم سے آخری ملاقات کروں گا۔ ان تمام باتوں کا احاطہ کرنا ناممکن ہوگا جو اس وقت سے وقوع پذیر ہوئیں جب سے تم میری خدمات حاصل کرنے پر، اپنی مرضی کے خلاف، مجبور ہوئیں۔ تم یہ سمجھ رہی تھیں کہ قانونی نظام کے جال سے نکالنے کے لئے بے گناہی ہی کافی ہے، ایک ایسا نظام جس پر ہم نے ہمیشہ ناز کیا، لیکن یہی نظام جنگ کے دنوں میں عدل وانصاف سے انحراف کا باعث بن گیا ہے۔

میں نے کھڑکی سے باہر کا نظارہ کیا۔ شہر سویا ہوا ہے سوائے ان فوجی دستوں کے جو پورے فرانس سے یہاں آ رہے ہیں اور گنگناتے ہوئے ''گردو آسٹرلٹز (1)'' کی طرف جا رہے ہیں، اور یہ لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہیں۔ افواہیں ان لوگوں کو آرام نہیں کرنے دیتیں۔ آج صبح انہوں نے کہا تھا کہ انہوں نے جرمن افواج کو وردن سے پرے دھکیل دیا ہے؛ شام کے وقت کسی، سنسنی پھیلانے والے، اخبار نے خبر دی کہ ترک بٹالین بیلجیم میں جمع ہو رہی ہیں اور آخری حملے کے لئے سٹاسم بورگ کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ ہم لوگ دن میں کئی مرتبہ بشاشت سے مایوسی تک کا سفر کرتے ہیں۔

یہ ناممکن ہے کہ ہر اس چیز کا احاطہ کیا جائے جو فروری 13، 1917ء کے بعد ہوئی، کہ جس دن تمہیں گرفتار کیا گیا اور آج کے دن تک کہ جب تمہیں فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا

(1) پیرس کے ایک ریلوے اسٹیشن کا نام۔

کر دیا جائے گا۔ ہم تاریخ سے کہیں گے کہ وہ میرا اور میرے کام کا فیصلہ کرے۔ شاید تاریخ ایک نہ ایک دن تمہارے ساتھ بھی انصاف کرے، اگر چہ اس میں مجھے کچھ شک ہے۔ تم صرف وہ عورت ہی نہیں جس پر غیر منصفانہ طور پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا، بلکہ تم وہ عورت بھی ہو جس نے چند رسوم و رواج کو بھی چیلنج کرنے کی جسارت کی، اور اس کے لئے تمہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔

تاہم، بقدر ضرورت، ایک صفحہ اس کے لئے کافی ہوگا:

ان لوگوں نے کوشش کی کہ وہ تمہارے پیسوں کا سراغ لگائیں، اور پھر اس حصے کو ''راز'' کہہ کر بند کر دیا، کیونکہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اعلیٰ عہدوں پر فائز کئی لوگ اس سے داغدار ہو جائیں گے۔ آپ کے سابقہ عاشقان نے، بغیر کسی استثنیٰ کے، آپ کو جاننے سے انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ وہ روسی (فوجی) جس کی محبت میں تم گرفتار ہوگئی تھیں، اور جس کے ساتھ تم ویتل کا سفر کرنے کی خواہاں تھیں، باوجود شکوک اور خطرات کے، کہ ابھی اس کی ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس شخص نے بھی فرانسیسی زبان میں اپنا بیان حلفی عدالت میں پڑھ کر سنایا اور اس کا مقصد لوگوں کے سامنے تمہاری توہین کرنا تھا۔ وہ بوتیک جہاں تم جایا کرتی تھیں، انہیں مشکوک قرار دے دیا گیا ہے، اور بہت سے اخبارات کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ ایسی خبریں لگائیں جس میں تمہارے ذمے واجب الادا ادھار یا قرض کا ذکر ہو، اگر چہ تم نے اس بات پر زور دیا کہ تمہارے ''دوست'' ان تحائف کے سلسلے میں اپنی سوچ بدل چکے ہیں اور بغیر معاملات طے کئے غائب ہو گئے ہیں۔

ججوں پر یہ دباؤ تھا کہ وہ بش آردون کی طرف سے کی جانے والی تمام تر گفتگو پر توجہ دیں جیسے: ''جب صنفی جنگ درپیش ہو تو تمام مرد، چاہے ان کی مختلف شعبوں میں کتنی ہی مہارت کیوں نہ ہو، انہیں آسانی سے شکست دے دی جاتی ہے''۔ ان ججوں کو مزید دانائی کے موتی سننے کو میسّر آئے مثلاً: ''جنگ کے ایام میں، دشمن ملک کے کسی شہری سے رابطہ کرنا

بھی مشکوک اور قابل الزام ہے"۔ میں نے ڈچ قونصلیٹ کو لکھا کہ وہ ہیگ میں، تمہارے چھوڑے ہوئے، کپڑے بھجوا دیں تا کہ تم باوقار انداز میں خود کو عدالت میں پیش کر سکو۔ یہ بات میرے لئے باعث حیرت تھی کہ تمہارے ملک کے اخبارات میں (تم سے متعلق) اکثر و بیشتر آرٹیکلز چھپنے کے باوجود سلطنت ہالینڈ کی حکومت کو اس ٹرائل سے متعلق نوٹس صرف ایک ہی مرتبہ بھیجا گیا، وہ بھی جس دن اس کا آغاز ہوا تھا۔ کسی بھی مرحلے پر، اس نے تمہاری مدد نہیں کی؛ انہیں یہ خطرہ ہے کہ ایسا کرنے سے ان کے ملک کی "غیر جانبداری" خطرے میں پڑ جائے گی۔

جب میں نے تمہیں 24 جولائی کو کمرۂ عدالت میں داخل ہوتے دیکھا تو تمہارے بال الجھے ہوئے تھے اور تمہارے لباس کا رنگ پھیکا پڑ چکا تھا۔ لیکن تمہارا سر بلند تھا اور تمہاری چال میں ثابت قدمی تھی، کہ جیسے تم نے اپنا انجام قبول کر لیا ہو، تم نے عوامی اہانت کی پرواہ نہیں کی کہ جس کا نشانہ وہ تمہیں بنانا چاہتے تھے۔ تم سمجھ چکی ہو کہ جنگ اپنے انجام تک آ گئی ہے، اور اب تم جو کر سکتی ہو وہ یہ ہے کہ اس کا اختتام بڑے رکھ رکھاؤ کے ساتھ کرو۔ کچھ دن پہلے مارشل پیٹن نے بے شمار فوجیوں کو پھانسی کی سزا دی، ان لوگوں پر غداری کا الزام تھا، کیونکہ انہوں نے جرمن مشین گنوں کے سامنے دھاوا بولنے سے انکار کر دیا تھا۔ آج فرانس کے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ تم نے ججوں کے سامنے، اپنے خاص انداز سے، ان (فوجیوں) کی موت کو چیلنج کر دیا اور......

بہت ہو چکا۔ اب اسی بات پر رُک کے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں جو، مجھے یقین ہے کہ، ساری زندگی میرے اوپر منڈلاتی رہے گی۔ میں تمہارے چلے جانے پر غمناک رہوں گا؛ میں اس بات پر شرمسار رہوں گا کہ میں نے چند مشکل قانونی نکات میں غلطی کی یا یہ سوچ لیا تھا کہ جنگ کے ایّام میں بھی عدل و انصاف کی صورت ایسی ہی ہوتی ہے جیسی امن کے دنوں میں۔ میں یہ زخم اپنے ساتھ لئے پھروں گا، بس مجھے صرف اس بات کی ضرورت ہوگی کہ اگر یہ زخم بھرنے لگے تو میں اسے کھرچنے سے گریز کروں۔

تاہم تم پر الزام لگانے والے زیادہ گھائل ہوں گے، اگر چہ آج وہ قہقہے لگاتے ہیں اور ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے ہیں، وہ دن بھی آئے گا جب یہ مضحکہ خیز بہروپ بے نقاب ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ بھی ہوا، تو انہیں یہ ضرور معلوم ہے کہ انہوں نے ایک بے گناہ کو ملزم بنایا کیونکہ یہ لوگوں کی توجہ اصل مسئلے سے ہٹانا چاہتے تھے، جس طرح انقلاب کے دنوں میں ہوا تھا، پیشتر اس کے کہ مساوات، اخوت اور آزادی کا نفاذ ہوتا، انہیں عوامی مقامات پر سر کاٹنے کی مشین رکھنی پڑیں تا کہ ان لوگوں کو خونی تفریح فراہم کر سکیں جو روٹی کے لئے ترس رہے تھے۔ یہ لوگ ایک مسئلے کو دوسرے کے ساتھ باندھتے چلے گئے، یہ سوچتے ہوئے کہ ایسا کرنے سے مسئلے کا حل نکل آئے گا، لیکن جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ سٹیل کی ایسی زنجیر بنا دی جسے توڑا نہیں جا سکتا، انہیں اپنی باقی تمام زندگی یہ زنجیر گھسیٹنی پڑے گی۔

ایک یونانی دیو مالائی کہانی ہے جو ہمیشہ سے میری پسندیدہ رہی ہے، اور میرا خیال ہے

کہ یہ تمہاری کہانی کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ایک بہت ہی خوبصورت شہزادی تھی جس کی بہت ہی تعریف کی جاتی تھی اور لوگ اس کے بارے میں خوفزدہ رہا کرتے تھے کیونکہ وہ بہت آزاد خیال تھی۔اس کا نام سائیکی تھا۔

اس خدشے سے کہ اس کی بیٹی کنواری ہی نہ رہ جائے، بادشاہ نے دیوتا اپالو سے درخواست کی، جس نے مسئلہ حل کرنے کا فیصلہ کرلیا: اس شہزادی کو، سوگ کا لباس پہن کر پہاڑ کی چوٹی پر جانا تھا۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے، ایک سانپ اس سے شادی کرنے آ جائے گا۔ تمہاری دلچسپی کے لئے تمہیں بتا تا چلوں کہ تمہارے مشہور ترین فوٹو میں تمہارے سر پر بھی یہی سانپ موجود ہے۔ کہانی کی طرف واپس آتے ہیں: شہزادی کے باپ نے ایسا ہی کیا جیسا اسے اپالو نے حکم دیا تھا۔ وہ پہاڑ کی چوٹی پر چلی گئی۔ خوفزدہ اور سردی میں ٹھٹھرتی ہوئی، وہ وہاں سوگئی اور اسے اپنی موت یقینی دکھائی دے رہی تھی۔

تاہم اگلی صبح وہ ایک عالیشان محل میں بیدار ہوئی اور وہ ملکہ بن چکی تھی۔اس کا شوہر اس سے ملنے ہر رات آتا، لیکن اس کے شوہر نے اس سے ایک شرط ماننے کا وعدہ لیا: وہ اس پر کامل بھروسہ کرے اور کبھی اس کی شکل نہ دیکھے۔

چند مہینے اکٹھے گزارنے کے بعد، شہزادی اس سے محبت کرنے لگی، جس کا نام اروس تھا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ گفتگو کو، اس کے ساتھ آرام کرنے کو بہت ہی پسند کرتی، اس کا شوہر بھی اسے وہ تعظیم دیتا جس کی وہ حقدار تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس شہزادی کو یہ خوف رہتا کہ اس کی شادی ایک خوفناک سانپ سے ہوئی ہے۔

ایک دن، اپنے تجسس پر مزید قابو نہ پاتے ہوئے، اس نے اپنے شوہر کے سوجانے کا انتظار کیا، بڑی آہستگی سے چادر سرکائی اور موم بتی کی روشنی میں اپنے شوہر کا خوبصورت چہرہ دیکھ لیا۔ لیکن روشنی کی وجہ سے اس کے شوہر کی آنکھ کھل گئی، اس بات کو سوچتے ہوئے کہ اس کی بیوی اس کے عہد پر پوری نہیں اتری، اروس غائب ہوگیا۔

مجھے جب بھی یہ دیو مالائی کہانی یاد آتی ہے، میں حیران ہو جاتا ہوں: کیا ہم کبھی بھی محبت کا حقیقی چہرہ نہیں دیکھ پائیں گے؟ مجھے جو بات سمجھ میں آئی ہے وہ یہ کہ یونانی اس محبت کا کیا مطلب لیتے ہیں: محبت ایک یقین اور اعتماد کا نام ہے اور اس کا چہرہ راز سے ڈھکا رہنا چاہیے۔ ہر لمحہ احساس اور جذبات سے گزار دینا چاہیے کیونکہ اگر ہم اس کی رمز کشائی اور سمجھنے کی کوشش کریں گے، تو جادو فنا ہو جائے گا۔ ہم اس کے، پیچ وخم والے اور چمکدار راستے پر چلتے چلے جاتے ہیں، ہم خود کو بلند ترین چوٹی یا گہرے ترین سمندروں میں جانے دیتے ہیں لیکن ہم اس ہاتھ پر یقین رکھتے ہیں جو ہماری راہنمائی کر رہا ہوتا ہے۔ اگر ہم خود کو خوفزدہ نہ ہونے دیں تو ہماری آنکھ ہمیشہ محل میں ہی کھلے گی؛ اگر ہم کاموں سے خوفزدہ ہوں گے جن کا تقاضا محبت کرتی ہے اور یہ چاہیں گے کہ ہمارے سامنے ہر چیز آشکار ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم سے ہر چیز چھن جائے گی۔

اور میرا خیال ہے، ماتا ہری جاناں! یہی تمہاری بھی غلطی تھی۔ کئی سال برفانی چوٹی پر گزارنے کے بعد تم نے محبت پر کامل عدم اعتماد کیا اور فیصلہ کیا کہ یہ تمہاری باندی بن جائے، محبت کسی کی تابع نہیں، یہ ان سے بے وفائی کرتی ہے جو اس کے راز و اسرار کی رمز کشائی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

آج تم فرانسیسیوں کی قیدی ہو لیکن جوں ہی سورج طلوع ہوگا، تم آزاد ہو جاؤ گی۔ تم پر الزام لگانے والے ایک ایسی طاقت کی ضرورت محسوس کریں گے، کہ جس سے وہ ان بیڑیوں کو کھینچ سکیں جو انہوں نے تمہارے پاؤں میں ڈالیں تاکہ تمہاری موت کا جواز پیش کر سکیں۔

یونانیوں کے پاس متضاد معانی کے لئے ایک لفظ ہے: میٹونیا۔۔۔ کبھی اس کا مطلب ہوتا ہے پچھتاوا، ندامت، اعتراف گناہ جو غلط کام ہم نے کیا اسے دوبارہ نہ کرنے کا عہد۔

کبھی اس کا مطلب ہوتا ہے جو کچھ ہم جانتے ہیں اس سے آگے کا سفر کرنا، نامعلوم چیز کے آمنے سامنے ہو جانا، یادداشت کے بغیر یہ بات سمجھتے ہوئے کہ اگلا قدم اٹھانا کیسا ہوگا۔ ہم

اپنی زندگیوں سے بندھے ہوتے ہیں، اپنے ماضی سے، ان قوانین سے جنہیں ہم صحیح یا غلط سمجھتے ہیں، اچانک ہر چیز تبدیل ہو جاتی ہے، ہم سڑکوں پر بے خوف وخطر گھوم رہے ہوتے ہیں، اپنے ہمسایوں سے ملتے جلتے ہیں، تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہمارے ہمسایے نہیں رہتے ـــ وہ باڑ یا خاردار تار لگا لیتے ہیں لہٰذا ہم چیزوں کو ایسا نہیں دیکھتے جیسے وہ پہلے تھیں۔ یہ میرے ساتھ ہوگا، جرمنوں کے ساتھ ہوگا، لیکن سب سے زیادہ ان مردوں کے ساتھ ہوگا جنہوں نے اس کام کو آسان جانا کہ وہ ایک بے گناہ عورت کو موت کے منہ میں جانے دیں بجائے اپنی غلطیاں تسلیم کرنے کے۔

یہ بات باعث شرم ہے کہ جو آج ہو رہا ہے، وہ گزشتہ کل بھی ہو چکا اور آنے والے کل بھی ہوگا؛ یہ دنیا کے اختتام تک ہوتا رہے گا، یا جب تک آدمی یہ پتہ نہ چلا لے کہ وہ ایسا نہیں ہے جیسا وہ سوچتا ہے، بلکہ، زیادہ، ایسا ہے جیسا وہ محسوس کرتا ہے۔ بدن جلدی تھک جاتا ہے لیکن روح ہمیشہ آزاد ہوتی ہے اور وہ، ایک دن، ہماری مدد کرے گی کہ ہم ایک ہی جیسی غلطیوں کو، نسل درنسل، دوہرانے کے شیطانی چکر سے باہر نکل آئیں۔ اگرچہ خیالات ایک جیسے ہی رہتے ہیں، لیکن ایک چیز اس سے زیادہ طاقتور ہے، اور وہ ہے محبت۔

کیونکہ جب ہم حقیقتاً محبت کریں گے، تبھی ہم دوسروں کو اور خود کو بہتر سمجھیں گے۔ ہمیں لفظوں، دستاویزات، نکات، بیانات، الزامات یا دفاع کی ضرورت نہیں۔ ہمیں تو صرف اس بات کی ضرورت ہوگی کہ جو کلیسا نے کہا ہے،

> ''انصاف کی بجائے وہاں مکاری تھی، راست بازی کی بجائے وہاں مزید مکاری تھی...... لیکن خداوند سب کا فیصلہ کرے گا، راست باز کا بھی اور مکّار کا بھی، خداوند ان دونوں کا فیصلہ کرے گا، کیونکہ ہر ارادے کا ایک وقت ہے، اور ہر کام کا ایک وقت''۔

لہٰذا ایسا ہو جانے دو، میری جان! خداوند کے حضور جاؤ۔

☆......☆

اختتامیہ

فرانسیسیوں نے، جاسوسی کے الزام میں، خاتون رقاصہ کو گولیوں کا نشانہ بناڈالا۔
ملزمہ ماتا ہری کو یہ سزا جرمنوں کو "ٹینکوں" سے متعلق راز فراہم کرنے پر دی گئی۔

پیر، اکتوبر 15 ......ڈچ رقاصہ اور خطروں کی کھلاڑی ماتا ہری۔ جسے دو ماہ قبل فوجی عدالت نے جاسوسی کے الزام میں سزا سنائی تھی، اسے آج، صبح صادق کے وقت، گولیوں کا نشانہ بنادیا گیا۔ ملزمہ خاتون، جس کا اصل نام مارگریتھا گرٹروٹ زیل تھا، کو سینٹ لیزار جیل سے، گاڑی میں بٹھا کر پریڈ گراؤنڈ، ونسین لے جایا گیا جہاں سزا پر عملدرآمد کیا گیا۔ انسانی خدمت پر مامور دو راہبائیں اور ایک پادری بھی، اس کے ساتھ تھے۔

اکتوبر کی 19 تاریخ کو یعنی ماتاہری کی سزائے موت کے چار دن بعد، اس کے مرکزی مدعی کیپٹن جارجس لادو، پر جرمنوں کو جاسوسی کرنے کا الزام عائد ہوا اور اُسے گرفتار کرلیا گیا۔ مقدمے میں بے گناہ ثابت ہونے کے باوجود فرانس کے جاسوسی کا سدباب کرنے والے ادارے نے اس سے بار بار یہ سوال کیا، کہ حکومتی پابندی کے باوجود جنگی حقائق اخبارات تک کیسے پہنچ گئے۔ اس نے اپنے دفاع میں کہا کہ یہ معلومات دشمن نے پہنچائی ہیں:

''یہ میری غلطی نہیں کہ میرا کام مجھے بے نقاب کردے جبکہ جرمن لوگ وہ اعداد و شمار جمع کر رہے تھے جو ملک پر قبضہ کرنے کے لئے ضروری تھے''۔

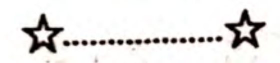
کیپٹن لادو کو 1919ء میں، جنگ ختم ہونے کے ایک سال بعد رہا کردیا گیا لیکن ڈبل ایجنٹ کی حیثیت سے اس کی شہرت نے قبر تک اس کا پیچھا کیا۔

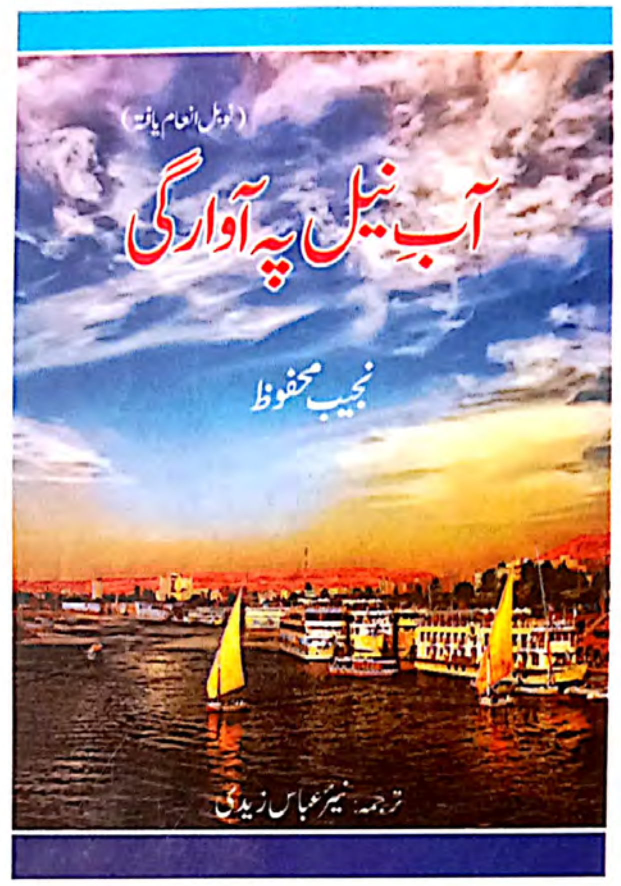
ماتاہری کے جسم کو ایک کم گہری قبر میں دفنا دیا گیا جس کی نشاندہی کبھی بھی نہیں ہوسکی۔ اس وقت کی رسوم کے مطابق اس کا سر کاٹ لیا گیا تھا اور اُسے حکومتی نمائندوں کے حوالے کردیا گیا تھا۔ کئی سالوں تک یہ سر رئیوڈی سینٹ پیٹر کے اناٹومی میوزیم میں رکھا رہا اور پھر کسی

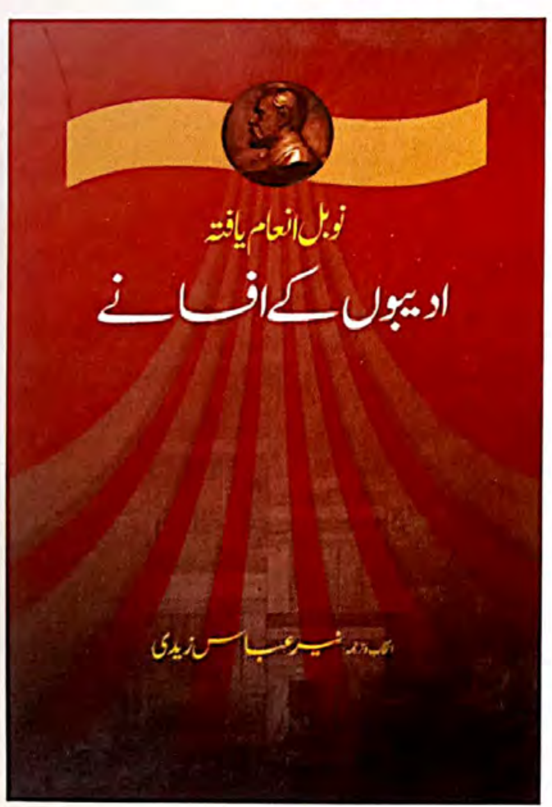
نامعلوم تاریخ کو، یہ سر اس ادارے سے غائب ہو گیا۔ میوزیم کے عملے نے صرف یہ بات نوٹ کی تھی کہ یہ سر 2000ء میں وہاں سے غائب ہوا، تاہم یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سر کو بہت پہلے یہاں سے چوری کیا گیا تھا۔

1947ء میں ایک قانون دان آندرے مور نے ان تمام عدالتی کارروائیوں کی تحقیقات کیں کہ ان تمام کا مقصد کوئی خاص نتیجہ حاصل کرنا تھا۔ انہوں نے پول گیمار نامی صحافی اور مصنف کے سامنے یہ راز افشا کیا کہ یہ عدالتی کارروائی استخراج، قیاس، اور مفروضوں پر مبنی تھی، انہوں نے اپنے انٹرویو کا اختتام ان الفاظ میں کیا:

"ہمارے پاس ثبوت اتنے کمزور تھے کہ وہ تو کسی بلّی کو بھی سزا کا حقدار نہیں ٹھہرا سکتے تھے"۔




(نوبل انعام یافتہ)
آبِ نیل پہ آوارگی
نجیب محفوظ
ترجمہ: نیر عباس زیدی


نوبل انعام یافتہ
ادیبوں کے افسانے
انتخاب و ترجمہ: نیر عباس زیدی


شناخت (ناول)
میلان کنڈیرا


فکشن ہاؤس
لاہور • حیدر آباد • کراچی
@fictionhousepublishers
www.fictionhouse.com.pk


ISBN 978-969-562-829-4
9 789695 628294